ہمارے سلگتے ہوئے اخلاقی وروحانی مسائل

اوران کا حل

محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ

۴۰۰ بی لطیف آباد حیدرآباد

کتاب کا نام : ہمارے سلگتے ہوئے اخلاقی وروحانی مسائل اوران کا حل

مصنف: محمد موسیٰ بھٹو

قیمت: ۱۰۰ روپیا

سال اشاعت : مئی ۲۰۱۶

کمپوزر: مقصود احمد بھٹو (منصوری)

کمپوزنگ: اسلامک کمپیوٹر کمپوزنگ سینٹر ۴۰۰/بی لطیف آباد ۴/بی، حیدرآباد

پیسٹر: سہیل ''سلام بھٹو''

پریس: یادگار پرنٹنگ پریس۔

فوبائل نمبر: 03313686186-03363039299

تعارف

پاکستان کی ملت اسلامیہ بلکہ خود پورا عالم اسلام اس وقت جس بحران سے دوچار ہے، وہ اخلاقی اور روحانی نوعیت کا ہے، اسی بحران سے دوسرے سارے المیے اور مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ جب معاشرہ میں پاکیزہ اخلاقی اقدار سے بغاوت کی فضا عام ہوگی، نفسانفسی کا رنگ غالب ہوگا، حب جاہ وحب مال کی نفسیات کا غلبہ ہوگا، لوٹ مار کے ذریعہ دولتمند بننے کا رجحان عام ہوگا تو اہل اقتدار واہل سیاست سے لے کر عام سرکاری ملازم اور عام فرد تک ہر شخص دولت کی پرستش کے مرض میں مبتلا ہوگا۔ غریب افراد کی پرساں حالی کا نظام ختم ہوگا تو اس سے معاشرہ ہمہ گیر وہمہ جہت اخلاقی بحران ہی سے دوچار ہوگا۔ اس طرح کے معاشرہ کو اچھے سے اچھا قانون اور بہتر سے بہتر عدالتی نظام بھی انارکی، خلفشار، بے چینی، انتشار اور فساد سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ یہ اخلاقی بحران خالص روحانی نوعیت کے بحران سے تعلق رکھتا ہے، جب افراد کی روح بھوکی وپیاسی ہوگی، اسے کم سے کم بھی خوراک نہ ملے گی تو ظاہر ہے ایسے افراد پر نفسی قوتیں ہی غالب ہوں گی، جو مادی دنیا پر فریفتہ ہوکر، درندوں کی طرح ایک دوسرے کو مارنے اور چیر پھاڑ میں مصروف ہوں گی اور ملت اور ریاست کی تباہی کا موجب ہوگی۔

مغربی قوموں نے اپنے اخلاقی وروحانی بحران کو عقلیت کے ذریعہ قانونی حکومت اور قومی اخلاق کے نام سے پُر کرنے کی کوشش کی ہے اور عام لوگوں کو نظام تعلیم کے ذریعہ قومی اخلاق کی تربیت دے کر، ان کو معاشرہ کے لئے ایک حد تک بہتر اور مفید بنانے کی کوشش کی ہے، اس لئے ان کے ہاں روحانی تسکین کا انتظام نہ ہونے کے باوجود انتظامی وعدالتی سطح پر انصاف موجود ہے اور ایک خود کار نظام ہے، جس کے تحت لوگوں کی روزہ مرہ زندگی کے سارے کام آسانی سے ہوجاتے ہیں اور انہیں رشوت اور دوسری پریشانیوں سے دوچار ہونا نہیں پڑتا، جب کہ ہمارے یہاں نہ تو قومی اخلاق کے نام سے کوئی نظام موجود ہے، نہ ہی نفسی قوتوں پر روح کی لطافت کو بیدار کرنے اور طاقتور بنانے کا انتظام موجود ہے، اس سلسلہ میں ہمارے یہاں صدیوں سے جو خانقاہی نظام موجود تھا، وہ زوال پذیر ہے۔ افراد معاشرہ کی بڑی اکثریت (اٹھانوے فیصد آبادی) اس خانقاہی نظام سے روحانی قوتوں کی بیداری کے سلسلہ میں رجوع ہونے کے لئے تیار نہیں۔

نظام تعلیم کی مادہ پرستی کی بنیادوں پر تشکیل، میڈیا کے ذریعہ مادی زندگی اور مادی حسن پر فریفتگی کی اداؤں اور بلند معیار زندگی کے مظاہر نے، ہمارے یہاں افراد کو خوشحال مادی زندگی کے حصول کی جدوجہد کے لئے وارفتہ اور دیوانہ بنادیا ہے۔ خوشحال مادی زندگی کے لئے یہ دولت رشوت سے آئے، قومی خزانہ پر لوٹ مار کے ذریعہ آئے، اشیائے صرف کی مہنگائی سے آئے مادہ پرست عالمی ساہوکار کے لئے آلہ کار کی حیثیت سے کام کرنے سے آئے، کہیں سے بھی آئے، اس سے کوئی غرض نہیں، ہر صورت میں دولت آنی چاہئے۔ یہ وہ عمومی فضا ہے، جو اس وقت معاشرہ میں پیدا ہوچکی ہے۔

دولت اور مادی حسن پر فنائیت کے علاوہ دوسرے سارے پاکیزہ جذبات واحساسات یا تو فنا ہوچکے ہیں، یا ان کے لئے افراد کے پاس وقت موجود نہیں۔

اگرچہ ہمارے ہاں دینی مدارس کی بہتات ہے، ان مدارس میں تیس لاکھ سے زیادہ طلبہ پڑھ رہے ہیں، بڑی بڑی درگاہیں بھی موجود ہیں، تبلیغی جماعت بھی فعال ومتحرک ہے، اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی جماعتیں بھی سرگرم ہیں، لیکن ان سارے اداروں وجماعتوں کے کام کے باوجود معاشرہ تیز رفتاری سے اخلاقی اور روحانی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ معاملات میں بگاڑ کی صورتحال تشویشناک حد تک پیدا ہوگئی ہے، دولت ودنیا کے میلانات ورجحانات میں غیرمعمولی اضافہ ہوا ہے،

نفسانفسی اور ایک دوسرے سے بے گانگی کی نفسیات عمومی صورت اختیار کررہی ہے۔

اگرچہ اس صورتحال کے پس منظر میں خارجی وداخلی طور پر بہت سارے اسباب کارفرما ہیں، جس میں ذہن سازی اور تربیت کے بیشتر اداروں اور معاشی ذرائع کا دجالی تہذیب کے علمبرداروں اور ان کے آلہ کار طبقات کے ہاتھوں میں جانے کا سبب زیادہ طاقتور ہے۔ تاہم داخلی طور پر اس کا اہم سبب معاشرہ میں تہذیب نفس اور تزکیہ کے اداروں کا فقدان اور اس کی کمی ہے۔

زیرنظر کتاب میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے اور معاشرے کے سلگتے ہوئے اخلاقی، روحانی وفکری مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور کردار کے بحران سے بچنے، آداب انسانیت سے بہرہ وری اور اخلاقی وروحانی قوتوں کی بیداری کی دعوت دی گئی ہے۔

اس کتاب کو مختلف نکات کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے اور مختلف نشستوں میں اصلاح نفس، انسانیت سازی، تزکیہ، ذکر وفکر اور معرفت کے حوالے سے جو نکات ذہن میں آتے رہے، انہیں تحریر کرکے کتابی صورت دی گئی ہے۔ ابتدا میں خیال تھا کہ کتاب کا نام ''انسانیت سازی کا کام اور اس کی اہمیت بذریعہ معرفت وذکر الٰہی'' رکھا جائے، لیکن بعد میں زیرنظر نام زیادہ موزون سمجھا گیا۔

اللہ تعالیٰ، خود اس عاجز کو ان نکات سے بہرہ ور اور فیضیاب ہونے اور اصلاح کی راہ پر گامزن فرمائے اور ایمان کی سلامتی نصیب فرمائے۔

۲۷ مئی ۲۰۱۶ء **محمد موسیٰ بھٹو**

ہمارے سلگتے ہوئے اخلاقی وروحانی مسائل اور ان کا حل

(۱) موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ جو دوسرے سارے المیوں کا پیشہ خیمہ ہے، وہ یہ ہے کہ قوموں اور معاشروں کی سطح پر انسان سازی یعنی انسان کو انسان بنانے کا عمل رک گیا ہے، اور دلوں اور ذہنوں سے اس کام کی اہمیت اور قدر وقیمت ختم ہوگئی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ انسان جس کی بنیاد میں جوہری اجزا شامل ہیں، وہ حیوان کی صورت اختیار کر چکا ہے اور قوموں کی سطح پر یہ منظر غالب ہے کہ افراد، حیوانوں بلکہ درندوں کی طرح ایک دوسرے کو چیرنے پھاڑنے، مار ڈالنے، ذلیل کرنے اور اللہ کی زمین کو اپنی فساد انگیز سرگرمیوں سے بھرنے کی روش پر قائم ہیں۔

اگرچہ تاریخ میں ہمیشہ انسانوں کی کسی قدر یہی روش رہی ہے، لیکن اس دور میں عالمی سطح پر معاشروں میں درندگی کا منظر تاریخ کے پچھلے سارے ادوار سے زیادہ ہمہ گیر ہے۔

مسلمانوں میں پچھلے چودہ سو سال سے علمائے ربانی کی طرف سے انسان سازی کے محاذ پر بڑی مستعدی سے کام ہوتا رہا ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں علمائے ربانی نے اس مقصد کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر ڈالی تھیں۔ جس کا معاشرہ پر یہ اثر تھا کہ ہر دور میں مسلمان معاشرہ اخلاقی اور روحانی طور پر عقلیت کی تحریکوں اور تہذیبی بگاڑ سے قابل ذکر حد تک محفوظ رہا۔ مسلمان معاشرہ میں جب کبھی یہ بگاڑ بڑھا تو تجدید دین کی نئی شخصیت پیدا ہوئی اور اس کی کوششوں سے انسان سازی کا محاذ مستحکم ہوگیا اور حیوانیت ومادیت پرستی ونفسانیت کی تحریکوں کو پسپا ہونا پڑا، لیکن انسانی تاریخ میں موجودہ پہلا دور ہے، جس میں انسان سازی کے محاذ پر ہونے والا کام سخت سرد مہری کا شکار ہے اور حیوانیت ودرندگی کی قوتوں نے قوموں ومعاشروں

کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے، اور افراد کے دلوں اور ذہنوں پر اتنی شدید گرفت حاصل کرلی ہے کہ وہ انسان سازی کے کام کو کام سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں۔ نفسانی خواہشات کی تکمیل کا کام ہی مقصد حیات کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

افرادِ معاشرہ کی اس عمومی روش کو دیکھکر حقیقی علمائے ربانی اور زہد اور فقر محمدی کی حامل شخصیتیں بھی چھپ گئی ہیں اور ان پر خود مادیت پرستی کے اثرات سے بچنے کی فکر غالب ہے۔

اس دور میں انسان سازی کی تحریک کی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ مسلم معاشرہ کے ذہین وباصلاحیت افراد کی بڑی اکثریت پر جدید تعلیم ومیڈیا کے زیر اثر مادی زندگی کے مستقبل کو بہتر بنانے کی فکر غالب ہے۔ وہ اس فکر سے کسی طور اوپر اٹھنے کے لئے تیار نہیں، ایک مختصر طبقہ ایسا ہے، جو اگرچہ مادیت ونفس پرستی کی قوتوں اور ان نظریات پر مشتمل فکر کو غلط سمجھتا ہے اور وہ کسی حد تک اسلام کے دفاع کے کام کے لئے بھی تیار ہے، لیکن یہ طبقہ بھی بالواسطہ طور پر جدیدیت کی فکری لہروں سے متاثر ہو کر، نہ صرف یہ کہ انسان سازی کے کام کے سلیقہ سے ناآشنا ہے، بلکہ اس سلسلہ میں وہ علمائے ربانی کی صحبت کی اہمیت ہی کا منکر ہے۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ انسان سازی کے کام کا تعلق دل وروح کی صلاحیتوں کی بیداری سے ہے، اس کام کا تعلق تزکیہ، تہذیب نفس اور ضبط نفس سے ہے، اور تزکیہ نفس، علمائے ربانی کی صحبت کے بغیر نہیں ہوتا۔

یہی امت کا تسلسل ہے۔ پھر تزکیہ نفس اور انسان سازی کا عمل ایک مستقل عمل ہے۔ طویل عرصہ کی صحبت اور مجاہدوں کے بعد کہیں جا کر نفس کی تہذیب کا عمل قابل ذکر حد تک سرانجام ہوتا ہے۔

ہمارے پچھلے ادوار میں افراد معاشرہ میں اس کام کی ضرورت واہمیت کا احساس غالب تھا، وہ انسانیت کا گر سیکھنے اور آخرت میں نجات کے لئے اس کام کو دوسرے کاموں پر ترجیح دیتے تھے۔ جب کہ موجودہ دور میں شعوری طور پر اس کام کی اہمیت سے انکار کی روش غالب ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ میں انسان سازی کا عمل رک گیا ہے اور ہر محلّہ کی سطح پر حیوانیت ودرندگی کے مناظر ومظاہر عام ہیں، اور تصادم کی فضا قائم ہے۔

تہذیب نفس اور انسان سازی کے لئے کام اور تحریک کے بغیر احیائے دین کے حوالے سے ہونے والے سارے کام ایسے ہیں، جن سے مطلوبہ ثمرات وفوائد حاصل ہوسکیں، ممکن نہیں، اس لئے کہ انسان کی داخلی زندگی میں فیصلہ کن تبدیلی کے بغیر انسان، حیوانیت کے مظاہر اور نفس پرستی کی قوتوں سے بچ سکے، ممکن نہیں۔

(۲) انسان سازی کا کام انتہائی اہم اور فیصلہ کن کام ہے، اس کے بغیر قوموں کی اجتماعی زندگی اور انسانی معاشرہ فساد سے عبارت ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ انسان سازی کے بغیر افراد پر نفس کی درندگی کی قوتیں غالب رہتی ہیں اور اقتدار، دولت اور معاشرہ میں حیثیت ملتے ہی یہ قوتیں معاشرہ میں اپنی فساد زدہ نفسیات کی وجہ سے تہلکہ برپا کر دیتی ہیں۔

انسان سازی کے کام کا مطلب نفس پر دل اور روح کی قوتوں کو غالب کرنا ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر نفسی قوتوں کو مطیع کرکے، اسے اللہ کی اطاعت کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔

جب انسان سازی کا کام نہیں ہوتا یعنی نفس کی درندگی کی قوتوں کی اصلاح نہیں ہوتی تو معاشرہ کا وہ حشر ہوتا ہے، جو اس وقت یورپی ممالک کا ہے۔ یورپی قومیں کاروباری اور قومی اخلاق کے اعتبار سے بہتر حالت میں ہیں اور ان کے یہاں کسی حد تک فلاحی سسٹم بھی موجود ہے۔ اور ریاست کی طرف سے لوگوں کو بہت ساری سہولتیں حاصل ہیں۔ لیکن حقیقی انسان سازی کے کام نہ ہونے اور نفسوں کی تہذیب کے عمل سے انکار کی روش کی وجہ سے وہ خود اعتمادی کے شدید بحران سے

دوچار ہے، ڈپریشن کا مرض ان کی نفسیات کا حصہ بن چکا ہے۔ ایک دوسرے سے رحم دلی، شفقت اور محبت کے ناتے ختم ہو چکے ہیں۔ زندگی سے مایوسی کی وجہ سے دنیا میں خودکشی کا رجحان سب سے زیادہ انہی کے یہاں پایا جاتا ہے۔

حقیقی انسان سازی کا کام دراصل پاکیزہ انسانی تہذیب کو افراد کے مزاج کا حصہ بنانے کا کام ہے، اس کے بغیر عقل کی مدد سے تیار ہونے والے انسان سازی کے سارے نقشے اور پروگرام ناکامی سے دوچار ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہ فطرت اور فطری قوتوں سے ہمہ آہنگ نہیں ہوتے۔

(۳) انسان سازی کا حقیقی کام عقیدہ توحید کے رسوخ سے ہی ہوتا ہے۔ اس کی دوسری کوئی صورت موجود نہیں۔ اور عقیدہ توحید کا مطلب ہے، اللہ کی محبت پر ساری محبتوں کو غالب کرنا اور زندگی کے ہر موڑ پر اللہ سے اس طرح محبت کا مظاہرہ کرنا کہ ساری اطاعت اور بندگی کے سارے آداب اسی کے لئے مخصوص ہو جائیں۔ اور طاغوت (یعنی غیر اللہ) سے بغاوت کی روش غالب ہو، توحید کے رسوخ کا یہ عمل چونکہ اللہ کے رسول کی معرفت ہوتا ہے، اللہ کا رسول چونکہ وحی کے ذریعہ سے تعلیمات اخذ کرکے بندوں تک پہنچانے اور اللہ کی مخلوق کے تزکیہ کے کام پر متعین ہوتا ہے، اس لئے اللہ کے رسولوں کو ماننا اور آخری رسول کی تعلیمات کو حتمی سمجھکر، اسے زندگی کا حصہ بنانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر توحید کے تقاضے تکمیل پذیر نہیں ہوتے۔

اللہ کے رسول نے بنیادی رہنمائی کیلئے قرآن وحدیث کی صورت میں جو دو کتابیں ہمیں دی ہیں، وہ ہمارے ایمان ویقین کا حصہ ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول نے اپنی صحبت کے ذریعہ صحابہ کا جس طرح کا تزکیہ فرمایا، اور صحابہ کرام نے صحبت کے ذریعہ تابعین کا تزکیہ کیا۔ اور تزکیہ کا یہ عمل صحبت کے ذریعہ امت میں جس طرح پورے تسلسل کے ساتھ جاری ہے، امت کے اس تسلسل سے وابستگی بھی ضروری ہے، اس کے بغیر تزکیہ کے عمل کی سرانجامی مشکل ہے اور افراد کی حیوانگی ودرندگی پر ملکوتی قوتوں کا غلبہ دشوار تر ہے۔

یہ ایسا اہم نکتہ ہے، جس کا بدقسمتی سے اس دور میں عقلیت کے غلبہ کی وجہ سے فہم باقی نہ رہا ہے۔ اس عدم فہم بلکہ اس کام سے انکار کی روش کا نتیجہ ہے کہ اس دور میں تزکیہ یعنی انسان سازی کے راستے مسدود ہوگئے ہیں۔

(۴) اس نکتہ کا فہم ناگزیر ہے کہ دل وروح سے جنم لینے والی رنجیدگی واحساس اذیت سے جو اضطراب پیدا ہوتا ہے، وہ ایسا سنگین ہوتا ہے کہ فرد وافراد کی داخلی زندگی جہنم کا منظر بن جاتی ہے۔ دل وروح کے اس اضطراب کو بڑی سے بڑی عقلیت پر مشتمل تحریکیں اور بہتر سے بہتر قانونی حکومت اور بہتر سے بہتر فلاحی ریاست بھی دور نہیں کرسکتی، نہ افراد کی زندگیوں میں پیدا ہونے والے اس داخلی خلا کو پُر کرسکتی ہیں، سبب یہ ہے کہ کائنات کی خالق ہستی کی طرف سے دل وروح کی ساخت کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ گویا وہ محبت کا شعلہ ہیں اور ان کی محبت کی تسکین، محبوب حقیقی سے والہانہ محبت اور شدید ترین محبت کے بغیر ممکن نہیں۔

انسان کی بناوٹ کی اس لطیف ترین صورت کی وجہ سے دنیا میں کوئی بھی ایسا نظام کامیاب نہیں ہوسکتا، جس میں افراد کی پاکیزہ محبت کے جذبات کی تسکین کی صورت موجود نہ ہو۔

(۵) ہمارے ہاں غلبہ اسلام کے نام پر عقلیت کی جو تحریکیں برپا ہوئیں، وہ تحریکیں افراد معاشرہ کو اپنا ہمنوا بنانے اور ان کی بہتر تربیت میں اس لئے کامیاب نہ ہوسکیں کہ انہوں نے اپنی فکر میں دل وروح کے جذباتِ محبت کی تسکین کی بجائے سارا زور عقلیت کی تسکین پر صرف کیا، اس سے عقلوں کی تربیت تو کسی حد تک ہوئی، لیکن تہذیب نفس کے کام میں پیش قدمی نہ ہوسکی اور دل وروح کی محبوب حقیقی کے لئے بے تابی کے جذباتِ محبت تشنگی کا شکار رہے۔ دل وروح کے اضطراب سے

افراد پر اشتعال کے جذبات غالب رہے، جس کی وجہ سے ساتھیوں کے درمیاں رنجشوں کے عمل میں اضافہ ہوتا رہا۔ اور اسلامی تحریکیں افراد کی کسی حد تک عقلی اور ظاہری اصلاح تو کرسکیں، لیکن وہ معاشرہ کو ایک دوسرے سے اللہ کے لئے محبت کرنے والے حقیقی داعی فراہم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

پھر فکر کے اس نقص کے فہم کے راستے بھی مسدود ہوگئے۔ جب کسی تحریک میں اس طرح کا جمود پیدا ہوجائے اور وہ سلف کے اسلامی فکر کے حاصل کو سمجھنے کے بجائے اپنی فکر ہی کو حرف آخر سمجھتی ہو، تو ایسی تحریکیں قابل رحم ہوجاتی ہیں اور وہ کارکنوں کو روحانی طور پر دوراہے پر کھڑا کرنے کا موجب بن جاتی ہیں۔

(۶) من عرف نفسه فقد عرف ربه. (جس نے اپنے نفس کو پہنچانا اس نے گویا اپنے رب کو پہنچانا) بزرگوں کے اس مقولہ کا یہی مفہوم ہوسکتا ہے کہ جس نے اندر میں ڈوب کر، نفسی قوتوں کی صحیح معرفت حاصل کی، نفس پر روح کی لطیف قوتوں کو غالب کیا، نفس کے وسیع سمندر کو پار کیا، اس کی گہرائیوں سے گذر کر، روح کی وسعتوں میں داخل ہوا، وہی شخص اپنے رب کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

نفس کے دوسرے کنارے پر لطیف رحمانی قوتوں کی جو وسیع دنیا موجود ہے، اس وسیع دنیا میں داخل ہونے سے پہلے نفس سے سراسر مقابلہ ہی مقابلہ ہے۔ نفسی قوتوں سے شدید معرکہ آرائی کے بغیر لطیف رحمانی قوتوں تک رسائی ممکن نہیں۔

فرد کی داخلی شخصیت میں جو حیرت انگیز وسعتیں موجود ہیں، جو عجیب وغریب اسرار پوشیدہ ہیں، کائنات کے جو رموز موجود ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے بزرگوں نے اسے کائنات اصغر کہا ہے۔

یعنی فرد کی داخلی شخصیت میں جو کائنات پوشیدہ ہے، اس کائنات سے کسی حد تک آشنائی کے بعد صوفی کی زبان گنگ ہوجاتی ہے اور وہ محبوب حقیقی کی شان عظمت کے مشاہدہ پر سراپا حیرت ہوجاتا ہے۔ اور اس ہستی پر دل وجان سے فدا ہوجاتا ہے۔ یہی وہ معرفت ہے، جسے مذکورہ مقولہ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۷) فرد وافراد کی زندگی عام طور پر دورنگی سے دوچار ہوتی ہے، دورنگی سے مراد قول وعمل میں تضاد ہے۔ ہم میں سے لگ بھگ ہر فرد قول وعمل کے اس تضاد کا شکار ہوتا ہے، اس کا سبب سچی معرفت سے محرومی ہوتا ہے۔ سچی معرفت کے بغیر اخلاص سے سرشار صالح عمل کی صلاحیت پیدا نہیں ہوسکتی۔

معرفت اور عدم معرفت کی تشریح کچھ اس طرح ہوسکتی ہے۔ فرد کو اسلامی شریعت کے احکام وتعلیمات اور فرائض وواجبات اور سنن کا علم تو ہوتا ہے اور وہ دوسروں کو بھی اس علم سے فیضیاب کرتا رہتا ہے۔ لیکن وہ خود اس علم پر عمل کرنے سے قاصر ہوتا ہے، مثلا دنیا سے محبت نہ کرنے، غریبوں ومسکینوں کی حالت زار پر رحم کرکے، ان کی مدد کرنے کا علم تو ہوتا ہے لیکن وہ عملاً ایسا نہیں کر پاتا، یہ عدم معرفت ہے، جب کہ اپنے علم پر اخلاص واستقامت سے عمل پیرا ہونا، یہ معرفت کا حاصل ہوتا ہے، یعنی جب معرفت آتی ہے تو وہ اپنے ساتھ اخلاص کے ساتھ صالح عمل کی قوت بھی لاتی ہے اور فرد قال سے حال کا صاحب بن جاتا ہے۔

معرفت جب تک فرد کے ہر خلیہ میں داخل نہ ہو، تب تک شخصیت کی تعمیر مکمل نہیں ہوتی۔ سبب یہ ہے کہ معرفت کی عدم موجودگی میں افکار دنیا ومادیت کے اثرات فرد کی شخصیت کو گھیرے رہتے ہیں، اس صورت میں شخصیت سے جو اعمال ظاہر ہوں گے، وہ اس کے بنیادی عقائد سے متصادم ہوں گے، جب کہ عقائد، صالح اعمال کے متقاضی ہوں گے۔ جب کہ فرد معرفت سے محروم ہوگا تو اس سے غیر صالح اعمال صادر ہوتے رہیں گے۔

معرفت جسم کے مرخلیے میں داخل ہو، اس کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ ہے کہ ذکر وفکر کی راہ اختیار کی جائے۔ اور ذکر کو وظیفہ حیات بنایا جائے، اس کے نتیجہ میں ہی معرفت پیدا ہوگی، یہ معرفت دراصل ذات الٰہی کا مظہر ہے، ورنہ وہ ذات جو

صفات وکمالات کا منبع ہو، اس کی معمولی معرفت بھی فرد کی بساط سے باہر ہے اور انسانی عقل سے ماورا ہے۔ معرفت ایسی چیز ہے، جو علم سے نابلد فرد میں بھی موجود ہوتی ہے۔ جب کہ شرعی علوم اور دنیاوی علوم کے حاملین کا معرفت سے بے بہرہ ہونا ممکنات میں سے ہے، بلکہ یہ عام مشاہدہ کی بات ہے۔

(۸) معرفت کا حصول جتنا زیادہ اہم اور فیصلہ کن ہے، اس دور میں اس سے اتنی زیادہ غفلت کا مظاہرہ ہوا ہے، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کی زندگی کے شب وروز کے غور وفکر اور سرگرمیوں کا مرکز ومحور نور معرفت ہی تھا، یہ نور معرفت اتنی بڑی نعمت ہے کہ شریعت کے اعمال اپنے کمال کے ساتھ ازخود صادر ہونا شروع ہوتے ہیں۔

ہماری جدید درسگاہوں اور دینی درسگاہوں میں جب تک معرفت کے اجزاء شامل نہ ہوں گے۔ اور نسلوں کی تعمیر سیرت میں اس جوہر کی شمولیت کا انتظام نہ ہوگا، تب تک معاشرہ میں خیر کی قوتوں کی بیداری دشوار ہوگی۔

(۹) معرفت ایسی چیز ہے، جو علوم کی محتاج نہیں ہے، جب کہ علوم، معرفت کے محتاج ہیں۔ معرفت دراصل انسانی فطرت میں ودیعت شدہ طاقتور فطری تقاضے (داعیہ) کو بیدار کرکے، انسانی شخصیت اور فطرت میں ہمہ آہنگی پیدا کرنے کے نتیجہ میں ہی پیدا اور ارتقا پذیر ہوتی ہے۔ جب فطری داعیے اور تقاضوں کو مسلسل نظر انداز کرکے، دبا دیا جاتا ہے تو علم پر عمل کی قوت سلب ہوجاتی ہے۔ اور علم ودانش کے صاحبان قول وعمل کے بحران سے دوچار ہوجاتے ہیں۔

(۱۰) فطرت میں سب سے طاقتور داعیہ جوہر فرد میں موجود ہوتا ہے، وہ محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کا داعیہ ہوتا ہے۔ اگر شروع سے اس داعیہ کی نگہداشت کی جائے اور اسے نمو دی جائے تو یہ داعیہ طاقتور سے طاقتور ہوکر، ساری انسانی شخصیت پر حاوی ہوجاتا ہے۔

(۱۱) فطرت میں محبت کے ساتھ ساتھ اپنے خالق کے آداب بندگی بجالانے کے طاقتور جذبات بھی رکھے گئے ہیں۔ عبدیت کے ان جذبات کو صحیح رخ دینے کے نتیجہ میں شخصیت میں وحدت، یک رخی اور صبغۃ اللہ پختہ ہوتا ہے۔

(۱۲) حقیقی طالب کا ایک ہی کام ہے، جو اگر وہ کر سکے تو اس کی معرفت کی راہ میں حائل ساری رکاوٹیں دور ہوسکتی ہیں، اور ذکر کے لئے اس میں ذوق وشوق کی فضا پیدا ہوسکتی ہے اور اس سلسلہ میں اس کی ساری شکایات ومشکلات دور ہوسکتی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ وہ اپنے روحانی استاد کے دامن کو مضبوطی سے پکڑا رہے، اس لئے کہ ذکر کا عمل دل کا عمل ہے، صاحب دل شخصیت سے اپنے دل کو منسلک کرنے کے نتیجہ میں اس کے دل سے انوار ذکر اور فیوض کی منتقلی کا سلسلہ ازخود شروع ہوجائے گا۔

فرد کی شخصیت میں برپا ہونے والا سارا فساد دل کا ذکر کے نور سے خالی ہونا یا اس کی کمی ہی اس کا سبب بنتی ہے۔

(۱۳) وما خلقة الجن والانس الا ليعبدون. (ہم نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے)۔

یہاں حضرت ابن عباس نے لیعبدوں سے مراد لیعرفون لی ہے۔ یعنی اللہ کی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے، اللہ کی سچی معرفت کے بغیر نہ تو عبادت کا قابل ذکر حق ادا ہوسکتا ہے۔ اور نہ ہی عبادت، اللہ کی شان عظمت کے استحضار کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ ایسی عبادت سے انسانی جوہر اجاگر ہوسکیں اور پاکیزہ اخلاقی زندگی پیدا ہو سکے، وہ بھی ممکن نہیں۔

سچی معرفت دراصل عبادت میں فنائیت اور خود احتسابی کے ذریعہ نفسی قوتوں کی پامالی اور اللہ کے سامنے اپنے آپ کو مٹانے سے ہی پیدا ہوتی ہے، اس طرح کی عبادت ہی تخلیق کا مقصود ہے۔

جب رسمی عبادت جس سے زندگی میں تبدیلی نہ ہوسکے، اللہ کے لئے مرمٹنے، اس کے لئے خواہشات نفس سے دستبردار ہونے اور اللہ کے دین اور اس کی مخلوق کی دین ودنیا کی بھلائی کا درد پیدا نہ ہو سکے تو اس طرح کی عبادت، روح سے خالی ہوتی ہے۔ اور وہ تخلیق کے مقاصد پورا کرنے میں ناکام ہوتی ہے۔

جب دل وروح کی گہرائیوں سے اللہ محبوب کی عبادت ہوتی ہے۔ نیز اس عبادت کے ذریعہ نفس کا شدید محاسبہ ہوکر، اسے آتش عشق کی بھٹیوں سے گذارا جاتا ہے اور قدم قدم پر محاسبہ نفس کا عمل جاری رہتا ہے تو یہی معرفت نفس، معرفت رب میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

جب انسانی نفس کی ہیت میں بنیادی تبدیلی واقع ہوکر وہ محبوب کی شان عظمت کے عکس سے گذرتا ہے تو اس کے بعد کہیں جاکر عبادت فرد میں عبدیت کے رنگ کو مستحکم کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور فرد مذکورہ آیت کا مستحق بنتا ہے۔

(۱۴) دل، جب ذکر میں مصروف ہوتا ہے تو دل کو فتنوں کا مرکز بنانے کی نفس کی کاوشیں ناکام ہوتی ہیں۔ جب ایسا نہیں ہوتا تو دل سے نئے نئے فتنے ابھرنے لگتے ہیں۔ دوسروں کی تحقیر کا فتنہ، بڑے بننے کا فتنہ، دوسروں پر اپنی بڑائی کو مسلط کرنے کا فتنہ، حرص وہوس کا فتنہ، کثرت گوئی کا فتنہ، گلا وغیبت سے محظوظ نہ ہونے کا فتنہ غرض کہ ذکر کے نور سے خالی ہونے والا دل نئے نئے فتنوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

(۱۵) ذکر کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس کے بغیر کوئی بھی عمل خیر وبرکت کا باعث نہیں بن سکتا۔ نماز کا ایک اہم مقصد ذکر کی فکر کو غالب کرنا بتایا گیا ہے **اقم الصلوٰۃ لذکریٰ** (نماز قائم کرو میرے ذکر کے لئے) جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو فرمایا جارہا ہے **اذھب انت واخوک بایٰاتی ولاتنیا فی ذکری.** (تم اور تیرے بھائی میری آیتیں لے کر (فرعون کے پاس) جاؤ لیکن کہیں میرے ذکر سے غافل نہ ہونا) قرآن میں زندگی کے ہر موڑ اور ہر عمل کے وقت ذکر کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ مناسک حج کی ادائیگی کے وقت ذکر کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد اللہ کے فضل کی تلاش کے وقت ذکر کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ کفار سے جنگ کے وقت اللہ کے ذکر سے سہارا لینے کی نصیحت کی گئی ہے۔

(۱۶) راہ محبت میں داخل ہوکر صحبت وذکر کے ذریعہ نفس کے تزکیہ کا کام ہونا ایک دیرپا عمل ہے۔ اس میں قدم قدم پر نفس سے متصادم ہونا پڑتا ہے۔ لاشعور میں موجود منفی طاقتوں سے صف آراء ہونا پڑتا ہے۔ بالخصوص وہ افراد، جن کے شعور ولاشعور میں ذکر وفکر کے مجاہدے شامل نہ ہوں اور جن کا عمر کا قابل ذکر حصہ ذکر سے غفلت میں گزرا ہے، اس طرح کے افراد کے لئے شعور ولاشعور سے ذکر اور اس کا نور ہضم کرانا سخت دشوار عمل ہوتا ہے، اس عمل میں آسانی کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ صاحبان ذکر سے مستحکم تعلق قائم کریں، صاحبان ذکر اپنی بلند پروازی سے انہیں اپنے ہمراہ ساتھ لے جاکر انشاء اللہ انہیں منزل تک پہنچانے میں کامیاب ہوں گے۔

(۱۷) معرفت کوئی ایسی گری پڑی حالت نہیں ہے کہ وہ آسانی سے ہاتھ آسکے، مادی دنیا کی مصروفیات سے وقت نکالے بغیر معرفت کی تمنا صحرا میں پانی کی تمنا کے مترادف ہے۔ مجاہدوں کے بغیر معرفت کا حصول ناممکنات میں سے ہے۔

عام طور پر افراد کی تمنا ہوتی ہے کہ ان کی شخصیت میں پیدا شدہ سارے مخمصے معمولی ذکر سے دور ہوجائیں۔ اور چند منٹ کے ذکر سے لاشعور میں موجود خوفناک قوتیں ان کے تابع ہوجائیں، اس طرح ان کے لئے محبت ومعرفت کا راستہ آسان ہوجائے۔

جب ایسا نہیں ہوتا تو فرد یاس کا شکار ہوجاتا ہے اور مجاہدوں کی راہ میں آگے

بڑھنے سے رک جاتا ہے، دراصل معرفت کی راہ میں لاشعور میں موجود خوفناک قوتیں حائل ہیں، وہ فرد کو اس راہ میں آگے بڑھنے نہیں دینا چاہتی، ان سے سخت معرکہ آرائی کئے بغیر معرفت کی دشوار گزار راہ کھل سکے، دشوار تر ہے۔

(۱۸) سچی معرفت کے بغیر فرد، زندگی کے دوراہے پر کھڑا رہتا ہے۔ عبادت میں لطف سے محرومی، سکون وسکینت سے محرومی، اپنے جذبات واحساسات کو حداعتدال میں رکھنے کی صلاحیت سے محرومی، انسانی جوہروں سے بے بہری، خود اعتمادی سے محرومی، اشتعال اور غیظ وغضب پر قابو پانے سے محرومی، ادب وآداب اور توازن کی نعمت سے محرومی، دوسروں کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھکر جلن کے احساسات سے بچاؤ سے محرومی، معرفت کے اجزاء سے محرومی، نیز سچی معرفت سے محرومی اس طرح کی ساری چیزوں کو اپنے ساتھ لاتی ہے۔

(۱۹) انسانیت کے حوالے سے اس وقت ہم پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کا ادراک وشعور ہونا بھی ضروری ہے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ انسانیت اپنے مسائل کے حل کے لئے سارے نظاموں کو آزما چکی ہے، سیکولرزم کی کوکھ سے جنم والے نظریات کمیونزم وسرمایہ داری انسانیت کے سکون کو برباد کرنے کے علاوہ اسے کوئی مفید چیز نہیں دے سکی، مادی زیب وزینت کا سامان۔ ٹیکنالوجی کی ترقی، آمد ورفت کی سہولت کی اشیاء، بہتر بنگلے وگاڑیاں، حسین مادی مناظر کی بہتات، یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں، جو انسانیت کے وجدان ونفسیات کی تسکین اور روح کی طمانیت کا موجب بن سکیں، ایسا معاشی نظام، جس میں انسانوں کے درمیاں زمین وآسمان کا معاشی فرق موجود ہو اور جس نظام میں عام انسان سرمایہ داروں کے لئے پیسے کمانے کی مشین بن کر رہ جائے، انسانیت اس نظام سے بیزار ہو چکی ہے۔ ایسا سیاسی نظام جس میں سرمایہ دار، میڈیا کی طاقت کے زور سے ذہن سازی کرکے، لوگوں کو اپنے دام فریب میں لاکر اقتدار پر قابض ہو، یہ نظام بھی اب اپنی کشش کھو چکا ہے۔

اگرچہ عالمی سرمایہ دار ایسے نظام کی بقا چاہتا ہے، لیکن عام مغربی انسان ہو، یا ساری دنیا کی انسانیت ہو، ان سب کی چاہت یہ ہے کہ اس کی روحانی واخلاقی بالیدگی کی بہتر اور پاکیزہ صورت ہو۔

اس سلسلہ میں امت وسط پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انسانیت کی رہنمائی کرے، تاکہ انسانیت کے لئے دنیا وآخرت کے امتحانات سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو سکے۔

اس وقت دنیا میں مغربی انسان سب سے زیادہ قابل رحم ہے، اس لئے کہ ایک تو ساہوکار نے اسے معاشی طور پر یرغمال بنالیا ہے، وہ شب وروز کی محنت سے جو کچھ کماتا ہے، اس کی ساری کمائی تنخواہ ملتے ہی ساہوکار کے جیب میں چلی جاتی ہے، چونکہ اسے میڈیا نے نئی نئی گاڑیوں، نئے نئے سامان تعیش اور نئی نئی ایجاد کردہ چیزوں کے حصول کا حریص بنا دیا ہے، اس لئے ان چیزوں کے حصول کے لئے وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے۔

معاشی تگ ودو کے ساتھ اسے گھریلی سکون سے بھی محروم کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ آزادی ومساوات کے تصور کی وجہ سے عورت کی اپنی دنیا ہوتی ہے، جب کہ مرد کی اپنی جداگانہ دنیا، خاندانی نظام اور رشتوں کا تقدس ختم ہوگیا ہے۔ عمر رسیدہ افراد کو گھروں میں سہارا دینے کے لئے کوئی عزیز موجود نہیں ہے۔

مذہب، تعلیم اور اجتماعی نظام سے روحانی اقدار کو نکال دینے کی وجہ سے انسان پر حیوانیت غالب کردی گئی ہے اور اسے حیوان کی ترقی یافتہ صورت قرار دیا گیا ہے۔ خود اعتمادی کا بحران، احساس تنہائی، لگ بھگ ہر مغربی انسان کا حصہ بن گئی ہے۔ اس لئے ماہرین نفسیات کے یہاں نفسیاتی مریضوں کی بھیڑ رہتی ہے۔

جب کہ ماہرین نفسیات خود نفسیاتی مریضوں میں شمار ہوتے ہیں، اس لئے کہ روح کے وجود کے انکار اور انسان کو ترقی یافتہ حیوان سمجھنے کا نتیجہ روح کی موت کی

صورت میں ہی ظاہر ہوسکتا ہے۔

مغرب کے انسان کو حاصل ہونے والی ساری مادی ترقی کی مثال جانوروں کو بہترین گاڑیوں، بہترین بنگلوں میں بٹھانے اور اسے نئی نئی ٹیکنالوجی دینے کے مترادف ہے، حیوان کو حاصل ہونے والے یہ بنگلے اور ٹیکنالوجی کی ترقی اس کے کس کام آسکتی ہے۔ انسان کی سب سے بنیادی ضرورت تو روح کی خوراک ہے، جو اسے جذبہ عبدیت کے اظہار اور اپنے خالق کی سچی معرفت وذکر وفکر کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے اور روح کی اس خوراک کے ذریعہ اپنی زندگی میں اس حسین ذات کے اوصاف حسن کے اخذ اور اس کے مظاہر کی نعمت ہے، جس کے لئے انسان کی اصل شخصیت شدید مضطرب ہے، اس کے بغیر انسانی زندگی انگاروں پر لیٹنے کے مترادف ہی ہوسکتی ہے۔

بدقسمتی سے مغربی انسان سے یہی سب سے بڑی نعمت سلب کر لی گئی ہے۔

(۲۰) انسان کو انسان بنانے کا کام ایسا ہے، جو آداب انسانیت اور سلیقہ انسانیت سیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، اسے تزکیہ کا کام بھی کہتے ہیں، جو انبیاء کرام کرتے رہے ہیں۔

ختم نبوت کے بعد یہ کام علمائے ربانی کے حوالے ہوا ہے، علمائے ربانی طویل عرصہ تک اپنے بزرگوں کی صحبت کے ذریعہ نفس کو سلیقۂ انسانیت سکھانے اور اس کے تزکیہ کی جدوجہد میں مصروف رہے ہیں۔ جب وہ نفس کی قوتوں پر بڑی حد تک فتحیابی کی جدوجہد میں کامیاب ہوتے ہیں، اس کے بعد ہی انہیں دوسروں کی تربیت کے کام پر متعین کیا جاتا رہا ہے۔ یہ ہمارا تسلسل ہے، امت میں انسان کو انسان بنانے اور افراد کی تربیت وتزکیہ کا یہی طریقہ جاری رہا ہے۔ اس طریقہ تربیت وتزکیہ میں نور نبوت کے اجزا بھی شامل ہوجاتے ہیں، جو صحابہ کرام، تابعین کرام، تبع تابعین کی صحبت کے ذریعہ بزرگوں اور علمائے ربانی میں منتقل ہوتے رہے ہیں۔

اب ہمارا کام یہ ہے کہ تعلیمی اداروں اور دعوتی وسماجی حلقوں میں علمائے ربانی کی خدمات حاصل کرنے اور ان سے انسان کو انسان بنانے کا گُر سیکھیں، تاکہ معاشرہ، افراد کی حیوانیت ودرندگی کے مظاہر اور دنیا کی ہڈیوں کی چھینا جھپٹی پر ایک دوسرے سے ٹکراؤ سے بچ سکے۔

(۲۱) اس دور میں دنیا اس زیب وزینت کے ساتھ سامنے آئی ہے کہ کوئی بھی ذہین وباصلاحیت فرد (وہ چاہے کتنا ہی اہل علم واہل دانش ہو) وہ اپنے حصہ کی بھرپور دنیا سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ دنیا پر فریفتگی کا یہ منظر انسانیت نے اس سے پہلے شاید ہی کبھی دیکھا ہو، اہل علم ،علم کو دنیا جمع کرنے کے لئے استعمال کررہا ہے، اہل مذہب، مذہب کو دنیاوی مقاصد کے لئے استعمال کررہا ہے۔ خانقاہ کا سجادہ نشین، خانقاہ کو دنیا کے حصول کا ذریعہ بنا رہا ہے، اہل سیاست، سیاست کے ذریعہ کروڑ پتی اور ارب پتی بننے کی کاوشوں میں مصروف ہیں۔

دنیا پر یہ چھینا جھپٹی دراصل انسانی شخصیت کے باطن میں موجود زبردست خلا کی علامت ہے۔ باطن کا وہ خلا یہ ہے کہ انسانی شخصیت لازوال حسن کے مشاہدہ کے لئے بے تاب ہے، اس کی یہ بے تابی فرد کی فطرت کی ناگزیر ضرورت ہے۔ جب فرد کے حسن کے ان جذبات کی تسکین کی صورت پیدا نہیں ہوتی تو حسن کے یہ جذبات مادی حسن اور مادی دنیا پر ٹوٹ پڑنے کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

دنیا پر فدائیت کی ان اداؤں نے ہی معاشرہ میں جھوٹ، فریب، جعل سازی، سنگ دلی، اور قساوت قلبی، جیسے فساد کو جنم دیا ہے۔ اس سے بچاؤ کی کوئی صورت موجود نہیں، سوائے اس کے کہ باطن میں ڈوب کر سچی معرفت کے حصول کے لئے کاوشیں ہوں، اس طرح فطرت میں موجود طاقتور، پاکیزہ اور لطیف جذبات واحساسات بیدار ہوں، جب دین کی باتیں کرنے والے اور قرآن سننے سنانے والے بھی مادیت کی دوڑ میں اہل دنیا کی طرح پوری طرح شریک ہوں، جب باہمی

معاملات میں وہ بھی اہل دنیا کی طرح نفسی آمیزشوں کا شکار ہوں تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ ظاہری علم اور شریعت کی ظاہری صورت کے علاوہ بھی کوئی ایسی چیز ضرور موجود ہے، جس کا شدید فقدان ہے۔ اس فقدان کی وجہ سے ہی زندگی اس تضاد سے دوچار ہے اور معنویت سے خالی ہے۔ زندگی میں یہ خلا (جس کی وجہ سے یہ سارا بحران پیدا ہوا ہے) وہی ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا کہ انسانی شخصیت بنیادی طور پر جوہری ہے۔ وہ جوہری اجزاء کی طالب ہے، جب کہ عقل اور نفس کی قوتیں اس کی ان جوہری تقاضوں کی راہ میں حائل ہوکر، اسے دنیا میں مستغرق کرنا چاہتی ہیں۔ جب تک عقل اور نفسی قوتوں کی یرغمالی سے بچ کر، اصل انسانی شخصیت کو اس کی مطلوبہ غذا نہیں ملتی، تب تک شخصیت فساد سے دوچار ہوتی رہے گی اور اس سے بچاؤ کی کوئی صورت پیدا نہ ہوگی۔

(۲۲) اسلام کی ایسی تشریحات، جس میں باطن میں موجود فسادی قوت کے قلع قمع سے اعراض ہو، جس میں معرفت کا انکار ہو، جس میں خارجی زندگی میں تبدیلی ہی اصل ہدف ہو۔ اس طرح کی ساری تشریحات دراصل دین ومذہب کے تقدس کے نام پر فرد وافراد کو مادی حسن، اور مادی دنیا کی طوفانی لہروں کے حوالے کرنے کے مترادف ہے اور ایک دوسرے سے متصادم کرنے اور دعویٰ کی راہ پر لگانے کے برابر ہے۔ اس لئے کہ معرفت سے خالی شخصیت پر شیطان غالب ہوکر رہتا ہے اور مقدس الفاظ کے رٹتے رہنے سے اس دیو سے بچاؤ کی صورتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

اس دور میں اس بنیادی نکتہ کے نظر انداز ہونے کی وجہ سے باطنی اندھے پن میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ بڑے سے بڑے استدلال اور عقل کے آخری حد تک استعمال کے باوجود اس نکتہ کے فہم کی کوئی صورت موجود نہیں، اس لئے کہ معاملہ استدلال، عقلی فہم اور الفاظ کی جادوگری اور فن گفتگو وفن خطابت کا نہیں، بلکہ معاملہ عقلیت اور نفسی قوتوں سے آگے بڑھکر باطن کی گہرائیوں تک رسائی کا ہے۔

وفی انفسکم افلا تبصرون. کا معاملہ ہے اور **فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمل قلوب التی فی الصدور.** (آنکھیں اندھی نہیں ہوتی، بلکہ سینے میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں) کا معاملہ ہے۔

جب سینے میں موجود دلوں میں فساد برپا ہوجائے، اس فساد کے ازالہ اور سینے میں موجود دلوں کی بیداری کی بات سننے کے لئے آمادگی ہی موجود نہ ہو تو اس صورت میں اصلاح کے سارے رستے مسدود ہوجاتے ہیں۔

(۲۳) اس وقت مغربی انسان اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے سامنے اسلام کا انسانیت سازی کا پیام رکھا جائے اور یہ دعوت پیش کی جائے۔ اگرچہ اہل مغرب نے انسان کو ترقی یافتہ حیوان سمجھکر، اس حیوان کے لئے سیکولرزم کے ذریعہ صدیوں کے انسانی تجربات کو پیش نظر رکھکر نظام بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور ان کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کے بعض شعبوں میں کافی بہتری بھی پیدا ہوئی ہے، لیکن انسان تو اشرف المخلوقات ہے، اشرف المخلوقات کی حیثیت سے یہ مادی انسان، بنیادی طور پر جوہری نوعیت کا ہے اور اس کی بیشتر ضروریات روحانی، معنوی اور باطنی نوعیت کی ہیں اور اجتماعی زندگی میں بھی اس انسان کو ایک دوسرے سے شفقت، رحمت، اور محبت کی ضرورت درپیش ہے۔ یہ چیزیں ایسی ہیں، جو سیکولرزم اور عقلیت کے زیر اثر وجود میں آنے والے نظام زندگی سے پیدا ہونا ممکن نہیں، لیکن اہل مغرب کے سامنے سچی مذہبی اور پاکیزہ اسلامی تعلیمات پیش کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کو دینی اور روحانی طور پر مستحکم کیا جائے اور اس کے لئے جامع پروگرام تشکیل دیا جائے اور وہاں، روحانی اداروں کو مستحکم کیا جائے۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہندستان کے ہندو اپنے مشرکانہ مذہب کے مراقبوں کے لئے تو یونیورسٹیاں تک قائم کررہے ہیں اور ان یونیورسٹیوں سے فارغ ہونے والے

افراد مغرب کی بڑی بڑی کمپنیوں اور اداروں میں بھاری معاوضے لے کر وہاں مراقبات کی مشقیں کررہے ہیں۔ جب کہ سچے مذہب کی پاکیزہ تعلیمات اور اللہ کے اسم ذات (جس سے عقیدہ توحید وابستہ ہے) اس کے ذکر اور مراقبہ کے سلسلہ میں ہم مغرب میں کوئی طاقتور ادارہ قائم کرنے میں ناکام ہیں۔

اس سلسلہ میں فکرمندی اور بہتر منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ اس سے ان شاء اللہ اہل مغرب میں انسان سازی کے کام کی بہتر سے بہتر صورت نکل سکتی ہے۔

(۲۴) انسان کو انسان بنانے کا کام دراصل انسان کو مہذب بنانے کا کام ہے۔ اور اللہ کی زمین پر اللہ کے عاجز بندے کی حیثیت سے زندگی گذارنے اور سلیقۂ زندگی سے آشنا ہونے کا کام ہے۔ جب انسان مہذب ہوجاتا ہے تو روح پر نفس کی گرفت کمزور ہوجاتی ہے۔ اور روح اپنی محبوب ہستی کے ساتھ حالت معیت میں رہنے لگتی ہے اور یہ معیت اس کے لئے آخرت کی جنت سے پہلے اس دنیا میں جنت کے منظر کے مثل ہوجاتی ہے۔ اس لئے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ ''آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو نہ تو دنیا میں بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد برپا کرتے ہیں۔''

دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ''مؤمنوں اور متقیوں کے لئے اس دنیا میں بھی خوشخبری ہے تو آخرت میں بھی۔''

انسان جذبہ بڑائی سے اس وقت تک نہیں بچ سکتا اور اپنے نفس کے فساد سے اللہ کی مخلوق کو اس وقت تک نہیں بچا سکتا، جب تک وہ کثرت ذکر کے نور کے ذریعہ نفسی قوتوں کو مہذب بنانے اور ان قوتوں پر روح کی لطافت کو غالب کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

(۲۵) ہمارے ہاں ایک وہ دور تھا کہ جب عالمی سطح کے ساتھ قوموں وملکوں کی سطح پر علمی، عقلی اور نظریاتی تحریکیں طاقتور تھیں، انقلاب فرانس وانقلاب روس اور کمیونزم اور سرمایہ داری کے ٹکراؤ کے نتیجہ میں پوری دنیا میں یہ نظریاتی تحریکیں برپا تھیں، اس کی وجہ سے اسلام کو بھی علمی اور عقلی تحریک کی حیثیت سے پیش کرنا ایک مجبوری تھی، لیکن اب وہ نظریاتی دور اور نظریاتی کشمکش بڑی حد تک تھم چکی ہے۔ اب عالمی اور مقامی سطح پر جو کشمکش جاری ہے، وہ مذہب اور لامذہبیت کی کشمکش ہے اور روح ونفس کی کشمکش ہے۔ عالمی ساہوکار اور ان کی ہمنوا قوتیں چاہتی ہیں کہ مذہبوں کا خاتمہ ہو، تاکہ انسانیت کو نفس پرست اور ترقی یافتہ مادی حیوان بنانے کے لئے اس کی اشیائے پیداوار کے لئے فضا پوری طرح ہموار ہو سکے۔

روح اور نفس پروری کی ان قوتوں نے اب عالمگیر صورت اختیار کرلی ہے، ایک طرف دنیا کا عام انسان ہے، جو کسی نہ کسی حد تک روح کی تسکین چاہتا ہے، تاکہ نفسانیت کو تسکین دینے والے اس بھرے بازار میں وہ ذہنی دباؤ سے بچنے اور زندگی کے معاملات میں کسی حد تک خوداعتمادی سے بہرہ ور ہونے اور جانوروں کی طرح ایک دوسرے سے لڑنے کی حالت سے بچ سکے۔

عالمگیر نوعیت کی اس نئی کشمکش میں ہمیں وقت کے چیلنج کی نوعیت کو سمجھکر بہتر حکمت عملی تشکیل دینا ہوگی۔ موجودہ صورتحال نے خالص علمی، عقلی اور نظریاتی تحریکوں کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ اب انسان کو خالص نفس پرست بنانے اور اس کی ساری جدوجہد کو پیٹ اور جنس کے گرد، محدود کرنے اور اسے ترقی یافتہ حیوان بنانے کی سرگرمیاں عروج پر ہیں اور عالمی ساہوکار نے میڈیا اور ذہین وباصلاحیت افراد کی خرید وفروخت کے ذریعہ اپنی ساری قوت اس محاذ پر لگا دی ہے، شہروں سے لے کر دیہات تک اب یہ رجحان تیز ہونے لگا ہے کہ یہ زندگی دنیا کی لذتوں سے بہرہ ور ہونے کے لئے ہی تو ملی ہے، اس لئے نفس پروری کے نت نئے سامان اور جنسی ہوس کی تسکین کے لئے جو کچھ بھی کر سکتے ہو وہ کرو، اس سلسلہ میں مذہب اور سماج

کی عائد کردہ پابندیوں کو پامال کرو، لبرلزم کی تحریک کا بنیادی ہدف یہی ہے کہ دین ومذہب کی پابندیوں کو مسترد کرکے، معاشرہ کی ان حالات میں سب سے زیادہ ضرورت خواہشات نفس کی بنیاد پر تشکیل کی جائے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ احیائے مذہب کی تحریک کے ذریعہ لوگوں کی روح اور روحانیت کی تسکین کا انتظام کیا جائے، عالمی سطح سے لے کر مقامی سطح تک لوگوں کی روح سخت پیاسی ہے، انہیں روح کی اس پیاس کو بوجھانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

ان حالات میں علمی، نظریاتی وفکری تحریکوں اور سیاسی اور انقلابی تبدیلی کے علمبرداروں کے کرنے کا کام بھی یہی ہے کہ وہ خود بھی نفس پرستی کی عالمگیر تحریک (جو سرمایہ دارانہ نظام کے غلبہ اور طاقتور میڈیا سے فروغ پذیر کی وجہ سے بہت زیادہ طاقتور ہوئی ہے) اس سے بچنے کا اہتمام کریں تو عام لوگوں کو بھی اس سے بچانے کے لئے کوشاں ہوں، اس کی صورت یہی ہے کہ ذکر وفکر کے حلقوں کو مستحکم کرکے، نفسی قوتوں پر روح کی لطافتوں کو غالب کیا جائے اور اللہ سے والہانہ محبت کے جذبات کو بیدار کرکے، مادی محبت اور مادی حسن پر فدائیت کی تحریک کو مضمحل کیا جائے۔

(۲۶) اس وقت انسانوں کے برپا کردہ نفسی فساد سے اللہ کی زمین اور فضا اس قدر بھر چکی ہے کہ اس فساد کے اثرات سے کثرت ذکر کے بغیر بچنا، ناممکنات میں سے ہے، ظلمات اور سیاہی کے اثرات اس قدر پھیل چکے ہیں کہ دل وروح ہر وقت ظلمات کے ان اثرات سے مکدر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اللہ کا طالب جو ذکر وفکر کی دنیا میں چلتا ہے، وہ اپنی روز مرہ زندگی میں فساد کی عالمگیر قوتوں کے معاشرے اور فضا پر پڑنے والے اثرات کو محسوس کرتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ شدید بے چینی وبے تابی کی حالت میں رہنے لگتا ہے۔ ظلمات کے یہ اثرات اس کے نفس مطمئنہ کے سفر کو بہت زیادہ دشوار بنا رہے ہوتے ہیں اور اس کی روح کو روزانہ موت کے سے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ طالب کی طلب اور سعی کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے طالب کو ظلمات کے اس طوفان سے بچا کر، بالاخر منزل تک پہنچا ہی دیتے ہیں۔

(۲۷) بیسویں صدی میں ہندستان میں اقامت دین کی جو فکر پیش کی گئی، اس میں قال کا غلبہ ہے، جب کہ حال کے اجزا اس میں کم ہیں۔ اقامت دین کے نام پر کارکنوں سے جو سب سے بڑا مطالبہ ہے، وہ یہ ہے کہ وہ غلبہ دین کے لئے جو کچھ کرسکتے ہیں، کریں، یہی جدوجہد ان کی نجات کا ذریعہ بنے گی۔ لیکن جس معاشرہ میں ۹۵ فیصد لوگ نماز جیسا فرض ادا کرنے کی استعداد سے محروم ہوں، جس معاشرہ کی ملازم پیشہ آبادی کی اکثریت رشوت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہو، جس ملک کی ساری سیاست فساد سے سرشار ہو، اس ملک میں ظاہر ہے اقامت دین فضا میں تو قائم نہیں ہوگی، وہ تو لوگوں کی عملی زندگیوں کی تبدیلی کے ذریعہ سے ہی قائم ہوگی، لوگوں کی عملی زندگیاں تبدیل کرنے کا سارا پروگرام ذکر وفکر کے لئے ماحول تیار کرنے اور دل کی گہرائیوں سے اللہ کی عبادت اختیار کرنے کی راہ سے ہی گذرتا ہے۔ لیکن اقامت دین کی اس فکر میں ذکر وفکر کے لئے الگ سے گنجائش موجود نہیں ہے، اور اقامت دین کی جدوجہد بجائے خود ذکر سمجھی جاتی ہے۔ الگ سے ذکر کے کام کو اقامت دین کی راہ میں معاون سمجھنے کی بجائے مزاحم سمجھا جاتا ہے، اس فکری سانچہ میں رہنے والے افراد کا نفسیاتی اور مزاجی سانچہ ذکر واہل ذکر سے دوری والا سانچہ بن جاتا ہے، اور کارکنوں کے تحت الشعور میں اقامت دین کی جدوجہد نہ کرنے والے اہل ذکر واہل اللہ سے کدورت کی نفسیات پیدا ہوجاتی ہے اور بالواسطہ طور پر یہ دعویٰ بھی پیدا ہوجاتا ہے کہ دین کا اصل نصب العینی کام (جو اقامت دین سے تعلق رکھتا ہے) وہ تو ہم کررہے ہیں۔ اس سلسلہ میں علمائے کرام

اور صوفیاء کرام کی کارکردگی تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس طرح سے صوفیاء اور علماء کرام سے تکدر، مزاج کا حصہ بن جاتا ہے۔

اقامت دین کی اس ساری جدوجہد کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس جدوجہد میں کردار وسیرت سازی کے جوہری کام کا حصہ بہت کم ہے۔عمل سے زیادہ قیل وقال کی فضا غالب ہے۔ فضا اکثر باہمی رنجشوں کے ماحول سے آلودہ رہتی ہے۔ اقامت دین کی بیشتر جدوجہد کاغذی منصوبوں، بلند بانگ دعوؤں، اخباری بیانات، مجلسوں، تقریروں اور بیانات میں عالمی کفر اور حکمرانوں کو للکارنے کی باتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

جیسا کہ ذکر ہوا کہ اقامت دین سے وابستہ افراد کے مزاج میں ذکر کے حوالے سے بات سننے کی فضا موجود نہیں۔ یعنی ذکر، جس سے اقامت دین کی عملی صورت پیدا ہو کر، سیرت وکردار میں پاکیزگی پیدا ہوسکتی ہے۔ اور خیالی منصوبوں سے آگے بڑھکر فرد دنیا میں اپنے حصہ کے کردار کی ادائیگی پر آمادہ ہوسکتا ہے، نہ صرف اس ذکر سے طبعی مناسبت موجود نہیں، بلکہ کدورت کی فضا غالب ہے۔

اقامت دین کے حوالے سے پیدا ہونے والی یہ صورتحال ایسی ہے، جس نے علمائے کرام اور اہل اللہ کے دلوں میں اس فکر کے حاملوں کے لئے چڑ کی سی فضا پیدا کردی ہے۔ جو بڑی تشویش کی بات ہے۔

(۲۸) اقامت دین کے حاملین کو یہ غلط فہمی لاحق ہے (جو ان کے تحت الشعور کا حصہ ہے) کہ ذکر وفکر کا لازمی نتیجہ اقامت دین کی جدوجہد اور دوسری ساری دینی سرگرمیوں سے دستبرداری کی صورت میں ہی نکلتا ہے۔ اس لئے ذکر وفکر کا راستہ مردانِ کار کا نہیں ہے، یہ گوشہ نشینوں کی راہ ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امت کی دعوت وعزیمت کی پوری تاریخ ایسی شخصیات سے ہی عبارت ہے، جو اللہ کے ذکر سے غذا حاصل کرکے اللہ کے دین کے فروغ اور اس کی جدوجہد میں مصروف کار رہی ہے۔ تاریخ دعوت وعزیمت کی کوئی ایک شخصیت بھی ایسی نظر نہیں آتی، جس نے اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر کو وظیفہ حیات نہ بنایا ہو، ابن تیمیہ جیسی شخصیت کا یہ حال تھا کہ صبح کو سورج نکلنے کے بعد کافی وقت نوافل میں بسر کرتے تھے۔ شاگرد نے پوچھا تو فرمایا کہ یہ تو میرا ناشتہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اقامت دین، وہ چاہے معاشرہ کی سطح پر ہو یا سیاست کی سطح پر، اس کے سارے راستے اللہ کے ذکر اور عبادت کے مزاج کو راسخ کرنے سے ہی گذرتے ہیں۔ اس کے بغیر اقامت دین کی کوئی تحریک کارکنوں کو زیادہ دیر تک اپنے ساتھ منسلک رکھ سکے، اور متحرک کرسکے، مشکل ہے۔

(۲۹) اقامت دین کا فطری طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے پانچ فوٹ جسم پر اسلام کو نافذ اور قائم کرنے کی کوشش کے جائے جسم سے صادر ہونے والے ایسے سارے اعمال سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو، جو اسلامی شریعت کے منافی ہوں، جو حب جاہ وحب مال، خود نمائی اور حسد جیسی بُرائیوں سے متعلق ہوں، جب اپنی شخصیت پر ایک حد تک اقامت دین قائم ہوگی تو اس اقامت دین کے نتیجہ میں جو روشنی پھوٹے گی، اس روشنی سے معاشرہ منور ہوتا چلا جائے گا اور معاشرہ میں محبت کی شمعیں روشن ہوں گی۔ دلوں میں جوڑ پیدا ہوگا۔ ایک دوسرے سے رواداری اور خیر خواہی کے جذبات پیدا ہوں گے۔ دنیا سے بے نیازی، فقر اور درویشانہ زندگی کے یہ مناظر دیکھکر ہی معاشرہ ان مثالوں سے متاثر ہوگا اور بدلنا شروع ہوگا۔

اقامت دین کی اس ترتیب کو مشکل سمجھکر، اسے چھوڑ دینے اور ریاستی اداروں سے اقامت دین کے نفاذ کی جدوجہد ہوگی تو اس جدوجہد میں بہتر عملی وپاکیزہ مثالیں نہ ہونے کی وجہ سے یہ عملی جدوجہد بے اثر ہوگی اور اس سے اقامت دین کا کام کرنے والے افراد کے درمیاں تضادات بڑھتے جائیں گے۔

(۳۰) ہر فکری تحریک کو پرکھنے کا معیار اس کی عملی کارکردگی ہوتی ہے۔ اگر کوئی

تحریک معاشرہ کو عملی طور پر ثمرات نہ دے سکے یعنی اپنے اخلاق، کردار اور سیرت کا مظاہرہ نہ کر سکے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خیالی نقشوں، کاغذی منصوبوں اور قیل وقال تک محدود ہے۔ اور اس فکری وعلمی تحریک میں وہ روح موجود نہیں ہے، جو افراد کی زندگیوں کو بدل سکے اور ان سے اسلام کے محاذ پر حقیقی کارنامے سرانجام دلائے۔ اس سلسلہ میں جب ہم تصوف کی تحریک کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہی نظام نے صدیوں سے معاشرہ کو دینی اعتبار سے سنبھالنے، اسلام کو درپیش چیلنج کے مقابلہ اور جہاد وقتال کے ذریعہ دشمن کا مقابلہ کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔

اس کی تفصیل بیان کرنے کا موقعہ تو نہیں، لیکن ذیل میں اس کا مختصر بیان کیا جاتا ہے۔

ہندستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اسلامی دعوت کے محاذ پر جو کام کیا، وہ ایسا کام ہے، جس نے ہندستان کے تہذیبی رخ ہی کو بدل دیا۔ ان کی غیر معمولی روحانی قوت، دعوتی جذبہ اور بہتر حکمت عملی نے ہندوؤں کی کایا پلٹ دی اور ان کے ہاتھ پر دس لاکھ افراد مسلمان ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اکبر کے نئے دین الٰہی کے فتنہ کے خلاف جو جہاد کیا، اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، وہ تجدید احیائے دین کا اہم واقعہ ہے۔ حضرت مجددؒ کے اس کردار کی بدولت ہندوؤں کی صدیوں کی یہ خواہش وکوشش کہ مسلمان ہندو تہذیب میں ضم ہوجائیں، ناکامی سے دوچار ہوئیں، حضرت مجددؒ نے اپنے باصلاحیت مریدوں کے ذریعہ بادشاہ وقت کے مزاج اور ذہنیت میں تبدیلی کی کوشش کی اور ایوان اقتدار کے رخ کو اسلام سے ہمہ آہنگ کرنے کی کاوش فرمائی، ان کی کوششوں کے نتیجہ میں ہی اورنگزیب عالمگیر جیسا بادشاہ ملا، جسے چھٹے خلیفہ سے تشبیہ بھی دی جاتی ہے۔

سید احمد شہید (جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے اکابر خلفاء میں شامل تھے)۔انہوں نے سکھوں کے خلاف جس طرح جہاد کیا اور اپنے ہزاروں مریدوں کے ساتھ جہاد کا معرکہ سرانجام دیا، اس پر متعدد قیمتی کتابیں چھپ چکی ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو کہ حضرت احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی بالا کوٹ کے محاذ پر لڑی جانے والی جنگ اتنی مؤثر واہم ثابت ہوئی کہ افغانیوں نے قتال کے اسی معرکہ کو ماڈل بنا کر سوویت یونین اور اب امریکہ جیسی سپر طاقتوں کے خلاف جنگیں لڑیں اور دونوں سپر طاقتوں کو پسپائی پر مجبور کیا۔

امام شاملؒ جو وقت کے بڑے صوفی تھے، انہوں نے ۳۵ سال تک روس کے عیسائی حکمرانوں زاروں سے مقابلہ کیا، ان کے مریدوں کی اکثریت اس جہاد میں شریک رہی، اس جہاد میں وقت کے مؤرخ لکھتے ہیں کہ روسیوں کی فوج کا قابل ذکر حصہ موت کا شکار ہوا۔

صوفیاء کی طرف سے دفاع اسلام اور فروغ اسلام کے محاذ پر تاریخ میں جو کارنامے سرانجام ہوئے ہیں، یہاں اس کی چند مثالیں پیش کیں، یہ مختصر مضمون اس کا متحمل بھی نہیں ہے۔

(۳۱) ذہانت اور علمی استعداد خدا کا ایک انعام ہے، علم وذہانت جب سلف صالحین کی قرآن وسنت کی تشریح سے بھرپور استفادہ اور نئے دور میں اجتہادی مسائل میں غور وفکر کا موجب بنیں تو ایسا علم اور ایسی ذہانت امت کے لئے باعث خیر بن جاتی ہے، لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ سلف کے علمی وروحانی اداروں سے استفادہ نہ کرنے والی ذہین علمی شخصیتیں اپنی علمی تحقیق اور نئی تشریح اسلام کے مقام پر فائز ہوجاتی ہیں۔

اجتہادی صلاحیتوں اور نئے دور میں جدید ذہنیت سے ہمہ آہنگ تشریح اسلام کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے، ان میں علمی تبحر، سلف کی صلاحیتوں پر اعتماد

اور ان کے وسیع علمی ذخیرہ سے بھرپور استفادہ، عربی زبان کی اعلیٰ صلاحیت، قرآن وسنت کا، صحابہ کرام اور تابعین کرام سے لے کر اب تک جو معنیٰ ومفہوم متعین ہوتا آیا ہے، علمائے ربانی کے سامنے تلمذ کی حیثیت سے اس معنیٰ ومفہوم سے بہرہ وری، تزکیہ اور معرفت کے ذریعہ نفس کی وسیع دنیا سے آشنائی، بالخصوص شخصیت میں موجود انا کے بت کے توڑ پھوڑ کا عمل، تقویٰ وخشیت، اعلیٰ علمی حیثیت کے باوجود اپنی تحقیق کو دعویٰ کے طور پر پیش کرنے کی بجائے ایک طالب علمانہ رائے کی حیثیت سے پیش کرنا وغیرہ، جب تک یہ صلاحیتیں وخصوصیات پیدا نہیں ہوتی، تب تک اجتہادی صلاحیتوں کا استعمال اور اسلام کی نئی تشریح سے قرآن وسنت کا امت کا تسلسل متاثر ہوگا۔ ملت میں تفریق پیدا ہوگی اور عقلیت اور جدید تقاضوں اور نفس کی یرغمالی سے اسلام کے نام پر خواہشات نفس کی تاویلی صورتیں پیدا ہوتی رہیں گی اور اسلام کی یہ تشریح افراد کو قرآن وسنت کی اصلیت اور اس کے روح سے بہت دور لے جانے کا ذریعہ بن جائے گی۔

بدقسمتی سے اس وقت ہمارے یہاں یہی کچھ ہورہا ہے اور اجتہاد، دعوت واصلاح اور اسلامی تحقیق کے نام پر علمبردار بن کے سامنے آنے والی جو شخصیتیں موجود ہیں، ان میں مولانا وحید الدین خان اور جاوید احمد غامدی صاحب نمایاں ہیں۔ انہوں نے اسلام کی نئی تشریح کے موضوع پر کافی لٹریچر تخلیق کیا ہے اور ان کی فکر سے اہل علم واہل دانش کا ایک طبقہ متاثر ہوا ہے اور مزید ہورہا ہے۔

یہ دونوں شخصیتیں مولانا مودودی کی فکر کے ردعمل کا مظہر ہیں، دونوں کی ابتدائی تربیت جماعت اسلامی کے فکری ماحول میں ہوئی، اس فکری ماحول میں غلبہ دین کے لئے سیاسی جدوجہد وتبدیلیٔ حکومت پر غیرمعمولی زور تزکیہ واصلاح نفس کے کاموں کو فیصلہ کن اہمیت نہ دینے کی روش، روز۔ مرہ زندگی میں عبادت اور فکر آخرت کے کام کو ترجیح نہ دینے والی فکر کے غلبہ نے ان دونوں شخصیتوں میں شدید ردعمل کی کیفیت پیدا کردی۔

اس ردعمل میں توازن پیدا کرنے کی صورت یہی تھی کہ کسی مزکی ومربی کی صحبت اختیار کی جاتی، تاکہ باطنی صلاحیتیں بیدار ہوتی، خود احتسابی کا عمل جاری ہوتا، نفس کی بے پناہ قوتوں سے آشنائی ہوتی، اس طرح فکری وعملی طور پر دوسری انتہا پر جانے سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی۔ اس لئے کہ کتابی علم واستدلال اور عقل میں وہ صلاحیت ہرگز موجود نہیں کہ وہ نفس جیسی سارے درندوں سے زیادہ قوت کی حامل ہستی پر کنٹرول کر سکے، تزکیہ نفس کے لئے تو ہر دور میں علمائے ربانیین ہی سے رجوع ہوتا رہا ہے، ان کی مسلسل صحبت اور ذکر کے ماحول میں رہنے کی برکت سے ہی فرعون نفس سے آشنائی ہوتی ہے اور اس کی سرکشی کا زور ٹوٹتا ہے اور شخصیت میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔

افسوس ہے کہ معرفت کی دنیا سے ناآشنائی کی وجہ سے ہماری مذکورہ دونوں شخصیتیں غلبہ اسلام کی جدوجہد اور اس کی اہمیت سے انکار، اسلام میں سیاسی نظام نہ ہونے کی وکالت، جہاد سے انکار، عالمی کفر کی طرف سے ملت اسلامیہ کو پامال کرنے کی کوششوں کی نفی، مذہب کے نام پر ہونے والی دہشت گردی کو محض مسلمانوں کی کارستانی سمجھنے کی روش، تصوف کو متوازن دین سمجھنے، اہل اللہ کے خلاف ذہن سازی کرنے، دین ومذہب کو محض ذاتی نجات کا ذریعہ سمجھنے اور بہت سارے دینی معاملات میں جدیدیت سے ہمہ آہنگی کی دعوت کا ذریعہ بن گئی ہیں۔

(۳۲) اس دور میں عقلیت کی حامل بعض اہل علم شخصیتوں کا سارا زور اس بات پر ہے کہ امت میں موجود سلف صالحین کی مسلمہ حیثیت کو مجروح کیا جائے، اس لئے کہ قرآن وسنت کی سلف کی تشریحات میں اسلام کے صحیح اور واضح مقاصد واہداف پر زور ہے۔ دین کی ترتیب اپنی اصل کے ساتھ موجود ہے۔ سلف کی اس مسلمہ اہمیت کی موجودگی میں قرآن وسنت سے اپنے نئے معنیٰ ومفہوم اخذ کرنا اور

قرآن سے نئے مقاصد متعین کرنا مشکل ہے،سلف صالحین کی قرآن وسنت کی عمارت کو ضرب لگانے کے لئے سرے سے سلف کی اہمیت ہی سے انکار کی روش غالب ہے۔نوجوان نسل جو دین کے حوالے سے خالی ذہن ہے۔انہیں دین کا جو تھوڑا بہت علم حاصل ہے، وہ کتابی علم ہی ہے، اس لئے وہ سلف صالحین کی مسلمہ اور فیصلہ کن اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہے، چنانچہ جاوید غامدی جیسی شخصیتوں کی سلف کے خلاف جاری مہم نئی نسل کو متاثر کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہے۔

جاوید احمد غامدی صاحب عقلیت کے زیر اثر اس نکتہ کے فہم سے قاصر ہیں کہ دین اسلام کے سلسلہ میں اللہ کی حکمت بالغہ اس امر کی متقاضی ہوئی کہ ختم نبوت کے بعد قرآن وسنت کی بنیاد پر بنیادی اسلامی علوم کی تدوین کے ساتھ ساتھ ایسی ہستیاں بھی کھڑی کی جائیں جن سے امت،فہم دین اور قرآن وسنت کے صحیح اہداف کی تفہیم کے ساتھ ساتھ اخلاص ویقین کی تحصیل کے سلسلہ میں رجوع ہو اور اس ضمن میں انہیں روشنی کے مینار کی حیثیت حاصل ہو اور جو سعید شخصیتیں اپنی ہستی کو مٹا کر اس طرح کی عظیم شخصیتوں سے تبحر علمی اور رسوخ فی الدین کے لئے رجوع ہوں تو انہیں اپنی ہستی کی فنا کے قیمت پر روح اسلام اور حقیقی فہم اور اسلام کی دولت عطا ہو۔

(۳۳) پیرا سائکلاجی (نفسیات کے ایک شعبہ) کا کہنا ہے کہ ایک چیز کے مسلسل تکرار سے تحت الشعور میں اس کا نقش غالب ہوتا ہے، یہ تکرار جتنا زیادہ بڑھتا ہے، اسی حساب سے فرد کی شخصیت میں اس تکرار کے اثرات مستحکم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

عالمی سرمایہ دار اور ان کی آلہ کار قوتوں نے پیراسائکلاجی کی اس تحقیق کو بنیاد بنا کر، اپنی اشیائے سامان کی فروخت کے لئے لوگوں میں طلب اور مانگ پیدا کرنے کے لئے میڈیا میں اشتہار بازی اور اشیاء کی پبلسٹی کو بنیاد بنایا ہے اور حسین چیزوں کے مناظر ومظاہر کے بار بار تکرار سے لوگوں میں ان اشیاء کی خریداری کے لئے جنون پیدا کر دیا ہے۔

نفسیات کی اس تحقیق کو فکر، نظریات، مذہب، روحانیت اور ذکر کی طرف لے آئیں تو معلوم ہوگا کہ ان ساری چیزوں کے مسلسل تکرار اور مسلسل فکر کرتے رہنے، سے یہ چیزیں نفسیات اور مزاج کا حصہ بنتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ باطن میں چسپاں ہوجاتی ہیں اور فرد وافراد کی زندگی انہی چیزوں سے عبارت ہوجاتی ہے۔مثلاً ایک نظریے کا مسلسل تکرار ہو، اور اس کی فیصلہ کن اہمیت کا ذکر ہوتا رہے، مجلسوں، اجلاسوں اور کتابوں کے ذریعہ اس نظریہ کی اہمیت اور قدر وقیمت واضح ہوتی جائے گی تو فرد اس نظریہ کا اسیر ہوکر رہ جائے گا۔چاہے وہ نظریہ صحیح ہو یا غلط، فطرت سے ہمہ آہنگ ہو یا غیر ہمہ آہنگ۔فرد کا لاشعور زندگی بھر اس نظریہ کے اثرات کے تابع رہے گا اور اس کے اثرات سے آزاد ہوکر سوچنا، اس کے لئے دشوار ہی نہیں، بلکہ لگ بھگ غیر معمولی حد تک دشوار ہوجائے گا۔

اسی اصول کو ذکر پر لاگو کریں تو اللہ کے ذکر کے مسلسل تکرار سے فرد کے دل میں اللہ کی محبت غالب سے غالب تر ہوتی جائے گی اور کثرت ذکر، فرد میں ان ساری خصوصیات کی تخلیق کا ذریعہ بنے گا، جو ذکر کا خاصہ ہیں اور تکرار ذکر سے وہ سارے اثرات پیدا ہوں گے، جو انسانیت کا جوہر ہیں۔اس لئے کہ ذکر میں رحمانی وملکوتی صفات کی عکس ریزی موجود ہے، کثرت ذکر کا نور بندہ مومن کو رحمانی وملکوتی عناصر میں شمولیت کا ذریعہ بنے گا۔

کسی بھی چیز کی تکرار کے ساتھ باطن، اسی چیز سے سرشار ہونے لگتا ہے اور فرد کی جدوجہد اور سرگرمیوں کا محور وہی چیز ہونے لگتی ہے۔

اس اصول کو سمجھکر ایسی ساری چیزوں کے تکرار یا ان کے مناظر ومظاہر دیکھتے رہنے سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے، جس سے باطن ان چیزوں کا اسیر یا غلام بن کر رہ جائے۔

(۳۴) قرآن ایک شاہی کتاب ہے، جس میں ہماری ہدایت ورہنمائی کے سارے بنیادی نکات موجود ہیں، اس شاہی کتاب سے رہنمائی حاصل کرنا اور اس مقدس کتاب کے زیر اثر اپنی زندگیوں کا جائزہ لیتے رہنا اور تبدیلی کا عمل جاری رکھنا ضروری ہے۔ قرآن پڑھتے ہیں تو اس میں بعض اس طرح کی آیتیں بھی نظر آتی ہیں۔

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ. (ہم نے داؤد سے کہا) اے داؤد، ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے سو انصاف کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے رہنا اور خواہش نفس کے پیروی نہ کرنا کہ وہ اللہ کے راستے سے تمہیں بھٹکا دے گا)۔

یہ آیت حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے ہے۔ یہ کہنا اور یہ سمجھنا کہ غیر معمولی مجاہدوں کے ذریعہ ہم اس مقام پر پہنچ چکے ہیں، جہاں ہمیں مزید اصلاح کی ضرورت نہیں یا ہمارے اعمال شریعت سے ہمہ آہنگ ہو چکے ہیں اور ہم اخلاص کے بلند مقام پر فائز ہوگئے ہیں۔ اس لئے اب ہمیں اپنی زندگی، اعمال اور حالات کے ازسرنو جائزہ کی ضرورت نہیں۔ اب ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ سرمایہ داروں والی معاشرت کو اپنے لئے پسند کرکے، اسے اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ نقطہ نگاہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ ہماری وجہ سے اگر دوسروں کی اصلاح ہورہی ہے تو اس سے دھوکہ میں ہرگز مبتلا نہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ دوسروں کی اصلاح تو ان کی طلب کے نتیجہ میں ہی ہوتی ہے۔ ان کی طلب کے ظاہری ذریعے اہم ہوتے ہیں، لیکن اصل فیض ادھر سے ہی آتا ہے۔ طلب کے نتیجہ میں فیض تو مل کر رہتا ہے، چاہے بظاہر کسی شخصیت کے مجاہدے نہ بھی ہوں۔

قرآن میں اس طرح کی متعدد آیتیں ہیں، سورہ طٰہٰ کی آیت ہے۔

ترجمہ: کہیں ایسا نہ ہو کہ جو شخص آخرت کو نہیں مانتا اور خواہشات کا پیروکار ہے اس کی (صحبت) کہیں تمہیں آخرت سے دور نہ کردے، اگر ایسا ہوا تو تم ہلاک ہوجاؤ گے۔)

یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ہے۔ شاہی کتاب میں اس طرح کے انتباہات دراصل ہمارے لئے ہی ہیں، انبیاء تو معصوم ہیں، ان کے ذریعہ سے ہمیں سنایا جارہا ہے۔ ہمیں سنبھلنا چاہئے اور خود احتسابی سے کام لیتے رہنا چاہے۔

(۳۵) مریدوں اور عقیدتمندوں کی کثرت میں غلط فہمی کا شکار ہرگز نہ ہونا چاہئے، اسی میں ہماری سلامتی ہے۔

مولانا رومی نے ایک مثال دی ہے کہ سانپ کا تماشہ دکھانے والا ایک فرد جنگل سے شہر میں ایک بہت بڑا سانپ لے آیا، سردی کی وجہ سے وہ ٹھٹھرا ہوا تھا، تماشہ دکھانے والے کے پاس منتر موجود تھا۔ اس نے کہا کہ اول تو سانپ مرا ہوا ہے، اگرچہ اس بڑے سانپ کے منتر کا وہ عامل نہیں، تاہم اگر اس نے فوں فاں کی تو منتر کام آئے گا۔ جب وہ اتنے بڑے سانپ کا تماشہ دکھا رہا تھا تو سورج کی تپش تیز ہوچکی تھی۔ سانپ نے کروٹ لی اور تماشہ بین کو ڈس کر ہلاک کر دیا۔

مولانا فرماتے ہیں، نفس کے سانپ سے فرد کو آخر وقت تک چوکنا رہنا چاہئے۔

(۳۶) صوفی کی خاصیت یہ ہے کہ وہ مخالفت بلکہ دشمنی کے جواب میں مسکراہٹیں بکھیرتا رہتا ہے، اس طرح وہ دلوں کو موہ لینے کا کام سرانجام دیتا رہتا ہے۔ صوفی کی یہی وہ ادا ہے، جس کی وجہ سے اس کا کوئی مخالف نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ میری ساری مخالفت کے باوجود صوفی کے دل میں میرے بارے میں نہ صرف یہ کہ کوئی احساس اذیت موجود نہیں، بلکہ اس کے دل سے میرے لئے ہمدردی وخیر خواہی کے کلمات ہی نکلتے ہیں۔

معاشرہ میں حقیقی صوفی کے غیر متنازعہ ہونے کا بڑا سبب یہی ہوتا ہے۔

(۳۷) صوفی کے ساتھ جب کوئی احسان کا معاملہ کرتا ہے، مالی تعاون یا ہدیہ کی صورت میں تو وہ صوفی اس کے احسانات کے تلے دبے رہتا ہے، یا تو اس احسان کے بدلہ میں اس سے بہتر احسان کا معاملہ کرتا ہے۔اگر ایسا نہیں کرسکتا تو وہ اسے اپنی دعاؤں میں تو ضرور یاد رکھتا ہے۔

(۳۸) صوفی کی نفس کے خلاف جدوجہد اگرچہ بہت اہم اور قابل قدر ہوتی ہے (اس کے بغیر نفس کی دورنگی سے بچ کر، اللہ کے لئے زندگی گذارنا دشوار ہوتا ہے)۔

لیکن صوفی، کامل صوفی اس وقت بنتا ہے، جب وہ نفس سے معرکہ آرائی میں بڑی حد تک کامیابی کے بعد دوسروں کی اصلاح ودعوت کا کام ہاتھ میں لیتا ہے اور غلبہ دین کے کام کو اپنی زندگی کے اہداف میں شامل کرتا ہے۔ اُس وقت یہ کام اس کی منصبی ذمہ داریوں میں شامل ہوتا ہے۔ اسلام کو درپیش چیلنج کا حکمت سے مقابلہ کرنا، مختلف محاذوں پر اسلام کے لئے کارنامے سرانجام دینا، غلبہ دین کے لئے تدابیر اختیار کرنا اور اس کے لئے وقت کے تقاضوں کے تحت حکمت عملی تشکیل دینا، یہ کامل صوفی کا بنیادی کام ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ ، حضرت مجددؒ، شاہ ولی اللہؒ اور دوسرے ہزاروں کامل صوفیوں کی جدوجہد کا مرکزی نکتہ یہی رہا ہے۔ اس دور میں اس کام سے غفلت کا مظاہرہ ہورہا ہے، جو بڑے صدمہ کی بات ہے۔ اللہ کے دین کی مظلومیت کے دور میں اس کے دین کی فروغ پذیری کے لئے اپنے حصہ کا کردار ادا کرنا، ایسا کام ہے جو ساری سعادتوں پر بھاری ہے۔

(۳۹) لوگوں سے معاملات میں الجھنا، تلخیوں کا پیدا ہوتے رہنا، بلکہ اشتعال کا ہونا، تعلقات میں خرابیوں کا پیدا ہونا، افراد کی الٹی سیدھی باتوں پر بہت زیادہ فکر مند ہونا، منوانے کے لئے تدابیر کا سوچنا، اپنی بات اوپر رکھنے کے لئے متفکر ہونا، معتقدوں کے گروہ کو بڑھانے کی تدابیر کرنا، دوستوں وساتھیوں کی اپنے خلاف رائے آجانے سے تشویش میں مبتلا ہونا وغیرہ، یہ ساری چیزیں اس بات کی علامت ہیں کہ صوفی ابھی خام ہے، وہ پختگی کے مقام تک نہیں پہنچا، اسے پختہ ہونے کے لئے مزید مجاہدوں کی ضرورت ہے۔

صوفی نشود صافی تا در نہ کشد جامے
بسیار سفر تا پختہ شود خامے

(صوفی کو صافی بننے کے لئے (عشق کا سارا) جام نوش کرنا پڑتا ہے۔ خام کو پختہ ہونے کے لئے بہت لمبا سفر طے کرنا پڑتا ہے۔)

(۴۰) صوفی جب بھی کبھی الجھن، کسی بحران اور کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے، وہ فوراً ذکر کا سہارا لیتا ہے، اندر میں ڈوب کر نئی توانائی حاصل کرتا ہے، اپنے محبوب حقیقی کی معیت حاصل کرکے، اس بحران سے نکل آتا ہے۔ زندگی بھر کے مسائل ومعاملات میں صوفی کی یہی روش ہوتی ہے، اس عمل سے اسے مشاہدہ ہوتا ہے کہ مصیبت، تکلیف، پریشانی، اذیت وغیرہ یہ ساری چیزیں دل کو محبوب سے دور کرنے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ جب محبوب حقیقی سے قربت حاصل ہوتی ہے تو احساساتِ اذیت ختم ہونے لگتے ہیں۔

(۴۱) داعی بعض اوقات نامساعد حالات، ناسازگار ماحول اور اپنوں اور غیروں کی مخالفتوں اور افراد کی حاسدانہ روش کی وجہ سے پریشانیوں اور دباؤ کا شکار رہتا ہے۔ اس طرح کے سارے حالات میں داعی کے لئے کرنے کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ اللہ سے اپنے تعلق کو مستحکم سے مستحکم تر کرنے کی کوشش کرتا رہے، اخلاص پیدا کرنے کی سعی کرتا رہے، صبر واستقامت کا مظاہرہ کرے، ساتھ ساتھ بہتر حکمت عملی اختیار کرے، دوسروں سے الجھنے یا ان کی خوشامد کی راہ ہرگز اختیار نہ کرے، جب بھی پریشانی اور اضطراب ہو، ذکر کے ذریعہ اندر میں ڈوبنے کے عمل کو جاری رکھے، ان شاء اللہ ناسازگار حالات میں ہی اللہ تعالیٰ اس کے لئے راہیں

نکالے گا اور اس کے لئے دلوں کے رخ کو موڑ دے گا۔

(۴۲) داعی بعض اوقات اپنی کارکردگی کے اثرات ونتائج نہ دیکھکر دل گرفتہ ہوتا ہے۔ اور دکھ واذیت محسوس کرتا ہے کہ اس کی ساری کوششوں اور برسوں کی شب وروز کی جدوجہد کے باوجود افراد کی اصلاح کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

اس طرح کے مواقع پر داعی کو خوداحتسابی سے کام لینا چاہئے اور اس نکتہ کا استحضار ہونا چاہئے کہ اس کی جدوجہد سے کام نہیں بنے گا اور حالات کو بدلنے میں اس کی جدوجہد کوئی کردار ادا نہیں کر سکے گی۔

اس کی جدوجہد تو صرف اللہ کی رضامندی اور اپنے دینی فریضے کی ادائیگی کا ذریعہ ہے، لوگوں کے رجوع نہ ہونے اور ناسازگار حالات کے باوجود اسے تو ہر صورت میں بس کام کرتے رہنا ہے، اس سلسلہ میں اسے اس حدیث رسول کو سامنے رکھنا چاہئے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ آخرت میں بعض انبیاء کرام آئیں گے، جن کے ساتھ کوئی ایک امتی بھی نہ ہوگا اور وہ تنہا ہوں گے۔

(۴۳) چند روزہ زندگی کو پُرتعش اور لذیذ سے لذیذ تر بنانے کا جنوں جو موجودہ دور میں لگ بھگ ہر فرد پر سوار ہے، وہ فرد کی دائمی زندگی کو آگ کے شعلوں میں بسر کرنے کا موجب ہے۔ اس دنیا میں آگ میں ہاتھ ڈالنے کا تصور کرتے ہی فرد پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے۔ کیا آگ کی تپش کے ساتھ زندگی گزارنے کا کسی میں دم خم ہوسکتا ہے؟

ہوش میں آکر، مادی دنیا پر فدا ہونے کے جنوں سے اوپر اٹھنے کی ضرورت ہے۔ زندگی تیزی سے گذرتی جارہی ہے، بلکہ برف کی طرح پگھلتی جارہی ہے۔

چندلمحات کی پُرتعش زندگی کا ابدالا باد والی زندگی کی بربادی سے سودا کرنا سب سے بڑی نادانی کی بات ہے۔ ہر آنے والا دن فرد کو قبر سے قریب تر کررہا ہے، موت کا فرشتہ آئے دن عزیز واقارب، دوست واحباب اور اہل محلّہ کے پاس آکر انہیں اپنے ساتھ لے جارہا ہے، ان کی موت ہمارے لئے اجل کا پیغام ہے۔ بیدار ہوکر دائمی زندگی کی فکر کو غالب سے غالب تر کرنا چاہئے، ورنہ وہاں کوئی پچھتاوا، ازالہ کی کوئی تدبیر، بلکہ آنسوں سے دریا بہاتے رہنے سے بھی کام نہیں بن سکے گا۔

کثرت ذکر کے ذریعہ معرفت نفس کا سفر دراصل نفس مطمئنہ صدر اور قلب سلیم کا سفر ہے، جو وقت اور مجاہدوں کا طالب ہے، جس طرح مادی علوم وفنوں کی تعلیم کا ایک نصاب ہے یا دینی علوم کی تکمیل کا ایک تدریجی نصاب ہے، اسی طرح معرفت نفس کا پورا سفر ہے، جسے طے کئے بغیر نفسی قوتیں پوری طرح مطیع نہیں ہو سکتیں اور فرد وافراد، نفس کے شدید حملوں کی زد میں رہتے ہیں۔

کثرت ذکر، غلبہ ذکر اور استغراق ذکر کے نتیجہ میں جب یہ کورس بڑی حد تک طے ہونے لگتا ہے تو نفس کی قوتیں بڑی حد تک مہذب ہوجاتی ہیں اور انسان سازی کے عمل میں آسانی ہوتی ہے۔

(۴۴) نفس، شورش پسند قوت ہے، ایک آفت ہے، بلکہ ساری آفتوں کی ماں ہے۔ دنیا میں سارا فساد اسی شورش پسند قوت کی وجہ سے ہی برپا ہے۔

جب کہ روح کی حیثیت انوار کے شعلہ کی سی ہے، انوار کا یہ شعلہ انوار کی حامل ہستی سے زیادہ سے زیادہ انوار حاصل کرکے، انوار کے بہت بڑے شعلہ میں تبدیل ہونا چاہتا ہے۔ بلکہ انوار کی ہستی ذات میں یہ شعلہ جذب ہونے کے لئے بے تاب ہے۔

نفس اور روح ان دونوں کے میلاپ سے ہی انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔

(۴۵) داعی کو جس مزاج کا حامل ہونا چاہئے، وہ یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے حالات کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے کوشاں ہو، لیکن اگر حالات بہتر ہونے کی بجائے سے بدتر ہوتے جاتے ہیں تو اسے اس کے لئے بھی تیار ہونا چاہئے، اس لئے کہ فاسد ماحول میں دعوت کا کام آسان نہیں ہوتا، اپنوں اور غیروں کی مزاحمتیں، بُرائی کی مقامی وعالمی قوتوں کی مخالفت، لوگوں کی حاسدانہ ورقیبانہ جذبات وغیرہ یہ ساری چیزیں داعی کے کام کو مشکل بناتی ہیں۔ مخلص داعی کا ضمیر جس آٹے سے گوندھا ہے، وہ ایسا سخت آٹا ہے کہ ان مزاحمانہ کوششوں کے باوجود اس میں نرمی

نہیں آتی۔ داعی ہر طرح کے ناسازگار حالات سے مقابلہ کے لئے مستقلاً ذکر کا سہارا لیتا رہتا ہے، اس سے اللہ محبوب اسے استقامت نصیب فرماتا ہے اور اپنے قرب کی سعادت بھی عطا فرماتا ہے۔

(۴۶) نوجوانوں میں ڈپریشن کی بڑھتی ہوئی حالت دیکھکر بہت دکھ ہوتا ہے، ایسے ذہین نوجوان، جن سے مستقبل میں بہتر توقعات وابستہ کی جا سکتی تھیں، نفسیاتی مریض ہوکر ناکارہ ہورہے ہیں۔ یہ تشویشناک صورتحال ہے۔

یہ حالات دراصل موجودہ تعلیم ہی کی پیداوار ہے۔ ہمارا نظام تعلیم جو دراصل مادہ پرست مغرب ہی کا ایجاد کردہ ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ مغرب کے نظام تعلیم میں محنت، تلاش وتحقیق، اور علوم وفنون کی تحصیل میں فنائیت کی جو صفات موجود ہیں، ہمارا نظام تعلیم اس سے بڑی حد تک خالی ہے۔

اپنے نظام تعلیم کی تباہ کاریوں کو دیکھکر یہ کہنا بہتر ہے کہ قوموں اور ملکوں کا نظام اس کے بغیر بھی چل سکتا ہے۔ انگریز سے پہلے آخر صدیوں سے ہمارا نظام تعلیم چل رہا تھا، جو معاشرہ کو ہر طرح کی صلاحیتوں کے حامل افراد فراہم کر رہا تھا۔

(۴۷) نوجوان نسل سے وابستہ افراد میں بڑھتے ہوئے ذہنی دباؤ، خود اعتمادی کے بحران، قلبی سکون سے محرومی، زندگی سے عدم دلچسپی، بلکہ مایوسی کی لہر وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں، جس پر قوم کے بہی خواہوں کو سوچنا چاہئے اور اس ہولناک رجحان کی روک تھام کی کوشش کرنی چاہئے۔

لیکن جس قوم کے پالیسی ساز طبقات، ذاتی مفادات اور ہوس زر کے مرض میں مبتلا ہوں اور اس سے اوپر اٹھکر قوم وملت کی تعمیر کے حوالے سے سوچنے کے لئے تیار ہی نہ ہوں، ان سے اس سلسلہ میں توقعات رکھنا عبث ہے۔

تاہم ہماری نظر میں یہ بڑھتا ہوا ذہنی دباؤ، خود اعتمادی کا بحران اور زندگی سے یاس کی صورتحال، شخصیت میں موجود داخلی دباؤ اور داخلی بحران ہی کا نتیجہ ہے۔

اس میں اگرچہ خارجی اسباب بھی کارفرما ہیں لیکن وہ داخلی بحران یہ ہے کہ فرد کی خود شعور ہستی، مطلق خود شعور ہستی کے لئے مضطرب اور بے تاب ہے اور وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتی، اس کی یہی بے تابی شخصیت کی زندگی میں زبردست خال پیدا کر دیتی ہے، اس خال کو پُر کرنے کی کوئی مستقل صورت موجود نہیں ہے، سوائے اس کے کہ فرد کو خود شعور مطلق ہستی کے انوار حسن سے بہرہ ور کیا جائے، یہ ایسا نکتہ ہے، جس پر ہم نے اپنی مختلف کتابوں میں تفصیلی بحث کی ہے، یہاں اس پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۴۸) انسان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ دنیا کی یہ (زندگی جسے لذتوں سے بہرہ ور بنانے کے لئے فرد وافراد مرمٹنے کے لئے تیار ہیں) اس کی حقیقت اور اصلیت کا ادراک سلب ہوگیا ہے، اسی المیہ سے دوسرے سارے المیوں نے جنم لیا ہے۔ اصل زندگی اور حقیقی زندگی تو عالم بالا کی زندگی ہے۔ روح نے عالم امر میں محبوب کا جو مشاہدہ کیا تھا، روح دوبارہ اسی منظر کے لئے بے تاب ہے۔ دھوکے کی یہ زندگی دراصل ہمیں عالم بالا کی اصل زندگی کی طرف جھانکنے یا اس کی طرف جانے سے روکے ہوئے ہے۔

بات واضح ہے کہ فرد وافراد جب جہان رنگ وبو میں گم ہوجائیں تو حقائق کے انکشاف کی راہ کس طرح کھل سکتی ہے۔ دنیا کے دھوکے کی یہ زندگی جس کی کوئی اصل ہی نہ ہو، جو فرد اس زندگی کے حقیقی ہونے کے وہم میں مبتلا ہوجائے تو وہ اسرار وجود پر کیسے مطلع ہوسکتا ہے۔

یہ ایسا نکتہ ہے جیسے بیان کرنے کے لئے کتنے ہی دلائل دیئے جائیں، وہ سارے دلائل عبث ہیں، جب تک فرد دھوکے کی اس دنیا سے اوپر اٹھکر، روح جس نے عالم بالا کی سیر کی تھی، اندر میں ڈوب کر وہ اس کی صدا پر لبیک کہنے کے لئے تیار نہ ہو۔

(۴۹) انسان کو انسان بنانے کا کام ایسا ہے، جس کا تعلق کائنات اور انسان کی تخلیق کے حوالے سے خالق کی منصوبہ بندی کو سمجھنے سے ہے۔ انبیاء کرام کو اللہ کی طرف سے انسانوں کے لئے جو پیغام ملا ہے، وہ وما خلقة الجن والانس الا لیعبدون. کا پیغام ہے (یعنی جنوں اور انسانوں کو میں نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے) یہ ساری اشیائے کائنات تو انسان کی خدمت کے لئے بنائی گئی ہے، جب کہ انسان، اللہ کی عبادت کے لئے تخلیق ہوا ہے، عبادت کوئی جزو وقتی کام نہیں ہے، بلکہ کل وقتی کام ہے۔ اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کے معاملات کو اللہ کی مرضی کے مطابق سرانجام دینا، ان معاملات میں اللہ کی تعلیمات واحکامات کو پیش نظر رکھنا، اللہ کی مخلوق سے اللہ کی خاطر بھلائی کرنا وغیرہ یہ ساری چیزیں عبادت ہی کا حصہ ہیں۔ دین اسلام، عبادت کا پورا نقشہ پیش کرتا ہے، جس میں خاندانی، معاشرتی، معاشی، کاروباری، سیاسی، انتظامی اور سارے اجتماعی معاملات آجاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے بغیر انسان کو انسان بنانے کا عمل پوری طرح ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی مطلوبہ عبادت کا پورا نقشہ اسلام کے اندر ہی موجود ہے، اسلام کی بنیادی کتابیں قرآن وسنت ہیں۔ جس میں عبادت کا پورا عملی نقشہ اور خطوط موجود ہیں۔

(۵۰) موجودہ رواجی اور معاشی تعلیم ایسی ہے جو انسان کو معاشی حیوان بنانے، حیوانوں کی طرح ایک دوسرے سے لوٹ مار کرنے، ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے اور دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینے کا گُر سکھاتی ہے اور اسی فکر کا مجنوں بناتی ہے۔ یہ رواج ومعاشی تعلیم ایمان وعقائد کے لئے زہر قاتل ہے اور اسلامی تعلیمات سے بغاوت پر اکسانے والی تعلیم ہے۔ جو تعلیم، عقائد میں فساد اور اعمال میں بگاڑ کا ذریعہ ہو، الحادی جراثیم کی حامل ہو، مغربی تہذیب اور مغربی فکر سے مرعوبیت کا موجب ہو، اپنی اولاد کو یہ تعلیم دلانا، دراصل انہیں ذبح کرنے کے مترادف ہے۔

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اس طرح کے اشعار میں میں اکبر الہ آبادی اس تعلیم کی زہرناکیوں کو واضح کر چکے ہیں۔ ایسی تعلیم جس میں معرفت کے اجزاء شامل نہ ہوں گے، وہ مسلمانوں کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہو سکے، ممکن نہیں۔

(۵۱) ہماری ملت کو دولت پر فریفتگی کے جس جنوں میں مبتلا کر دیا گیا ہے، وہ بہت المناک بات ہے۔ اخبارات میں آئے دن دولت پرستی، قومی خزانے کی لوٹ مار اور بد دیانتی کے جو واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں، وہ بہت شرمناک ہیں۔ اب جب یہ سطور لکھی جارہی ہیں، اخبارات میں پاکستان کے ایک پسماندہ صوبہ کے سیکریٹری خزانہ کے گھر سے ایک ارب روپے کی کرنسی حاصل کی گئی، جو انہوں نے صوبہ کے لئے ترقیاتی کاموں کے لئے مخصوص کی گئی رقم سے ہتھیائی تھی۔

اس کے معاً بعد اخبارات میں شہ سرخیوں سے خبر چھپی ہے کہ پاکستان کے ۴۰۰ سو مالدار افراد نے ٹیکس کی رقم بچانے کے لئے ۵۰ ارب ڈالر کی رقم آف شور کمپنیوں کے ذریعہ چھپائی ہے۔ پانامہ لیکس نے اس کے انکشافات کئے ہیں اور ان افراد کے نام بھی ظاہر کئے ہیں۔

اس طرح کے اسکینڈل آئے دن اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان، قومی رقوم کی لوٹ مار کا اتنا بڑا مرکز بن گیا ہے کہ ہر مالدار فرد، مالدار سے مالدار بننے کے لئے قوم وملک کو آخری حد تک پامال کرنے کے لئے تیار ہے۔ خوشحال طبقات کی طرف سے دولت کے اس جنوں نے ایک طرف افراد قوم کی اکثریت کو افلاس زدگی میں مبتلا کر کے نانِ شبینہ کا محتاج بنا دیا ہے تو دوسری طرف عالمی مالیاتی اداروں سے قرضہ کی بھیک مانگ کر ملک کا نظام چلایا جارہا ہے۔

ان واقعات کی روک تھام کے لئے آپ کتنے ہی کمیشن بنائیں، نیب کی طرف سے کتنی ہی قانونی کاروائیاں ہوں، ان واقعات کی روک تھام کی صورت کا پیدا ہونا ممکن نہیں، اس لئے کہ مادہ پرست نظام تعلیم کے ذریعہ آپ ہر سال ملک کو لاکھوں ایسے افراد فراہم کررہے ہیں، جو دنیا کی محبت سے وارفتہ ہیں۔ جو دولت ودنیا اور لذت کام ودہن کی خاطر زندہ رہنا چاہتے ہیں، ان کے مزاج اور نفسیات کی تشکیل میں دنیا کے مستقبل کی بہتری کے علاوہ کوئی پاکیزہ جذبہ کارفرما نہیں۔

ملک پچھلے ستر سال سے اس سلسلہ میں جو تباہی دیکھ چکا ہے کہ حکمرانوں، افسروں، صنعتکاروں اور سیاستدانوں سے وابستہ لاکھوں افراد ملک کو لوٹ کر ارب پتی بن کر قبر کا حصہ بن گئے، ان کے اس حشر کو دیکھنے کے باوجود نظام تعلیم کو مقصدی بنانے کے سلسلہ میں کوئی اقدام کرنے کی بجائے اس نظام تعلیم کو مادہ پرستی کے فساد سے مزید بھرا جارہا ہے۔

اس صورتحال پر غم زدگی کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

(۵۲) بندہ کی سب سے بڑی ادا جو اللہ کو پسند ہے، جس کی وجہ سے وہ نوازا جاتا ہے، وہ عاجزی، فروتنی، اپنی ذات اور اپنی شخصیت کی نفی بلکہ اپنے آپ کو مٹانے اور لاشے سمجھنے کی ادا ہے۔ وبشر المخبتین (خوشخبری ہے عاجزی اختیار کرنے والوں کے لئے)۔

اپنے علم، اپنی شخصیت اور اپنی رائے کی نفی، اللہ کی شان عظمت کے استحضار کے غلبہ کے بغیر نہیں ہوتی، یہ چیز یا تو فطرت سلیمہ کے اجزا کی حفاظت سے حاصل ہوتی ہے۔ یا کامل اہل اللہ کی صحبت سے یا ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں سے عطا ہوتی ہے۔

بندہ کو اس دنیا اور آخرت میں ملنے والے سارے انعامات اپنی شخصیت کو مٹانے اور پامال کرنے کے نتیجہ میں ہی ملتے ہیں۔

اس طرح کی شخصیتیں اپنے آپ تو حقیر والا شے سمجھتی ہیں، لیکن اللہ کی نظر میں وہ مرتبہ کی حامل ہوتی ہیں۔ اور لوگوں کی دلوں میں ان کی محبت اور رعب ڈال دیا جاتا ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ فرماتے تھے کہ اگر مولوی کا لاحقہ نہ ہوتا تو اپنے آپ کو ایسا مٹاتا کہ لوگ پہنچاننے سے قاصر ہوتے۔

حضرت مولانا محمد الحسن (شیخ الہند) جب دیوبند مدرسہ سے فارغ ہوئے تو آپ کے استاد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا کہ اب کل سے تم کو سبق پڑھانا ہے، آپ نے اپنے استاد کی بات سن لی اور مدرسہ سے غائب ہوگئے، تلاش شروع ہوئی، پندرہ دن کے بعد کہیں سے ملے تو حضرت مولانا محمد قاسمؒ صاحب کے پاس لائے گئے، آپ نے دریافت کیا کہ تم سے پڑھانے کے لئے کہا گیا تھا، تم کہاں غائب ہوگئے تھے تو آپ نے فرمایا کہ حضرت، مجھے آتا نہیں ہے میں کیا پڑھاؤں گا۔ حضرت نے کہا کہ تمہیں اس سے کیا بحث کہ آتا ہے یا نہیں، تمہیں تو ہمارا حکم ماننا چاہئے تھا، چلو بیٹھ کر پڑھاؤ۔

اس فنائیت کی حامل شخصیت کے جو شاگرد تیار ہوئے، وہ علم وفضل کے ستارے ثابت ہوئے، مولانا اشرف علی تھانویؒ ، مولانا انور شاہ کاشمیریؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا شبیر احمد عثمانی، قاری محمد طیب صاحبؒ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی فنائیت کا بھی اسی طرح کا واقعہ ہے: جب دیوبند سے انکی فراغت ہوئی اور معلوم ہوا کہ دستار بندی کا جلسہ ہونے والا ہے اور سند ملنے والی ہے تو اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر اپنے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت، یہ جلسہ موقوف کردیجئے،

ورنہ ہم جیسے لوگوں کی دستار بندی سے مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی اور ہمیں سند بھی نہ دی جائے، اس لئے کہ ہم علمی اعتبار سے اس لائق ہی نہیں۔

اسی فنائیت کا نتیجہ ہے کہ اللہ نے ان سے اپنے دور میں اتنا بڑا کام لیا کہ وہ کام اب بھی ہمارے کے لئے کافی ہے۔

انہوں نے تیرہ سو کتابیں لکھی، ان کی کتابوں کی تدوین، تلخیص، توضیح وتشریح پر کام ہورہا ہے۔

ہم نے اس دور میں یہ ادا اپنے مرشد حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ کی شخصیت میں آخری حد تک دیکھی، اپنی بزرگی اور غیر معمولی علمی شخصیت کے باوجود وہ اپنی ہر ادا سے عاجز، مسکین اور اپنی شخصیت کو مٹائے ہوئے نظر آتے تھے، ان کی اس ادا کی وجہ سے اللہ نے یہ مقام دیا تھا کہ حیدرآباد شہر میں جس محلّہ میں نکل جاتے تھے، دعا کے لئے مردوں، عورتوں اور بچوں کا ہجوم جمع ہوجاتا تھا۔

(۵۳) معاشرہ میں حق کے فروغ کے لئے مختلف دعوتی تحریکیں کام کررہی ہیں۔ ایک تحریک دوسروں پر دعوتی محنت کی تحریک ہے، جس کا کام ہر اعتبار سے قابل قدر ہے، دوسروں پر دعوتی محنت کی اس تحریک کو اب عالمی کفر کے مرکز نے بھی اپنے لئے چیلنج سمجھنا شروع کر دیا ہے، اس تحریک میں ایک کمی جو اب پیدا ہونا شروع ہوئی ہے، وہ اپنی اصلاح سے زیادہ دوسروں کی اصلاح کی فکر ہے۔ حالانکہ اس تحریک کی بنیاد میں جو نکتہ شامل تھا، وہ یہ تھا کہ اپنے نفس کو سامنے رکھکر دوسروں پر محنت ہوگی۔ اس طرح اپنی اصلاح کی صورت پیدا ہوتی رہے گی۔ اب یہ نکتہ نظر انداز ہونا شروع ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے سیرت وکردار میں رونق پیدا ہونا، متاثر ہوئی ہے اور معاملات میں بگاڑ آنا شروع ہوا ہے۔

دوسری خانقاہی تحریک ہے، جو صدیوں سے کام کررہی ہے۔ خانقاہوں سے وابستہ شخصیتوں کے اب بھی معاشرہ پر کسی حد تک اثرات موجود ہیں اور لوگ ذکر وفکر کی راہ پر آکر کسی نہ کسی حد تک اصلاح کی راہ پر گامزن ہیں۔ لیکن خانقاہی تحریک میں ایک بڑا نقص جو پیدا ہوگیا ہے، وہ یہ ہے کہ امت گروہی وابستگی میں تقسیم ہونے لگی ہے، خانقاہ کے بزرگ سے وابستگی، امت کی تقسیم کی قیمت پر ہونے لگی ہے اور اپنے حلقہ کے علاوہ دوسروں کے ہاں موجود خیر کے انکار کی روش بھی پیدا ہونے لگی ہے۔ دوسری کمی وکوتاہی یہ ہے کہ عالمی سطح پر خیر وشر کی جو کشمکش چل رہی ہے، موجودہ خانقاہی نظام اس کشمکش میں افراد کو کسی حد تک بچانے میں تو کردار ادا کررہا ہے۔ لیکن عالمی پس منظر میں اسلام کے دفاع کا کارنامہ سرانجام دینے اور اس کے لئے منصوبہ بندی سے کام کرنے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ بعض خانقاہوں کے پاس وسائل کی بہتات موجود ہے۔ وہ اگر چاہیں تو کم از کم میڈیا کے محاذ پر ایک طاقتور اسلامی محاذ کھڑا کر سکتے ہیں۔ لیکن موجودہ خانقاہوں سے وابستہ شخصیتیں دور جدید کے ہولناک چیلنج سے ناآشنا ہیں۔ یا وہ اس دائرے میں قدم رکھنا نہیں چاہتے، حالانکہ ماضی میں بزرگوں نے دین کے ہر محاذ پر ہونے والے چیلنج کا بہتر اور مؤثر طور پر مقابلہ کیا ہے۔

تیسری تحریک غلبہ اسلام کی جدوجہد کی تحریک ہے۔ اس تحریک سے وابستہ افراد کی جدوجہد اور اپنے مقصد کے لئے ان تھک محنت، تنظیم اور فکرمندی قابل قدر ہے۔

اس تحریک نے جدیدیت کے محاذ پر بھی قابل قدر کارنامے سرانجام دیئے ہیں، لیکن کارکنوں کے تزکیہ اور روحانیت وروحانی اصلاح سے سرد مہری کی روش اور اس سلسلہ میں فکر میں جمود نے اس تحریک کی ارتقا کے راستے مسدود کردیئے ہیں اور کارکنوں کو داخلی محاذ پر بے یقینی، بلکہ خلفشار سے دوچار کر دیا ہے۔ فکر کی اس کمزوری کو سمجھکر، اگر اصلاح کی صورت پیدا ہو تو یہ تحریک اسلام کے مختلف محاذوں پر مؤثر ترین کردار ادا کرسکتی ہے۔

چوتھی تحریک دینی مدارس سے وابستہ علماء کرام کی تحریک ہے، جو معاشرہ کی دینی ضروریات پوری کرنے اور قال اللہ وقال الرسول کی صدا لگانے کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ عالمی کفر، علمائے کرام کو اپنے لئے شدید چیلنج محسوس کرتا ہے، علمائے کرام کا کام قابل قدر ہونے کے باوجود روحانیت کی کمی اور جدید چیلنج کے فہم کے فقدان کی وجہ سے یہ کام معاشرے کو اسلامی نقطہ نگاہ سے سنبھالنے بالخصوص جدید طبقات کو سنبھالنے کے سلسلہ میں بہت زیادہ ناکافی ہے۔

(۵۴) ایسی ذہنی وباصلاحیت مذہبی شخصیت، جو تزکیہ کے مراحل سے نہ گذری ہوں دین کے حوالے سے ان کی سرگرمیوں کے اہداف کچھ ایسے بن جاتے ہیں، جس میں اصلاح نفس، تزکیہ نفس، اللہ کی محبت، عبادت وذکر وفکر اور فکر آخرت جیسی چیزیں ہدف کے طور پر شامل نہیں ہوتی، چونکہ وہ دل وروح کی محبوب کے لئے پاکیزہ جذبات محبت سے آشنا نہیں ہوتے اور انہیں بے پناہ نفسی قوتوں کا ادراک نہیں ہوتا، اس لئے دین کے نام پر جزوی مسائل میں اپنے وقت اور توانائیوں کے استعمال میں زندگی صرف کر دیتے ہیں، یہ بہت بڑا نقصان ہے، جو امت کی تاریخ کے ہر دور میں باصلاحیت ذہین مذہبی شخصیتوں کے ضیاء کی صورت ہوتا رہا ہے۔

امت میں تفریق کا ایک سبب بھی ذہین مذہبی شخصیتوں کا تزکیہ کا فقدان ہی ہے۔ جب تزکیہ کے قابل ذکر مراحل طے ہوتے ہیں تو اس کے بعد ہی فرد کو وہ حقیقی نور بصیرت اور حکمت عطا ہوتی ہے، جس کی روشنی میں وہ امت میں تفریق پیدا کئے بغیر صحیح خطوط پر فروغ دین اور دعوت دین کے لئے اپنی توانائیوں کا استعمال کرنے لگتا ہے۔

اس اہم راز سے آشنائی کے لئے صحبت اہل اللہ کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ دل، روح اور ذہن پر دین کے حوالے سے اہم وغیر اہم مسائل اور دین کے اہداف وغیر اہداف جیسی حقیقتیں منکشف ہوسکیں اور فرد اپنی غیر معمولی ذہانت کی آڑ میں نفس کی یرغمالی سے بچ سکے۔

(۵۵) غلبہ ذکر کی صورت میں روح، عالم ملکوت میں سیر کرتی رہتی ہے۔ اگرچہ نفس اور مادی عقل کو اس کا ادراک نہ ہو اور کشف کے ذریعہ فرد کو اس کا مشاہدہ نہ ہو، لیکن روح کی طمانیت اس مقام تک پہنچ جاتی ہے، جس سے بڑھکر دنیا میں طمانیت کی کوئی صورت موجود نہیں۔

روح، خالق ہستی کے صفات حسن سے بھی بہرہ ور ہونے لگتی ہے، اس کی سب سے بڑی علامت یہی ہے کہ غلبہ ذکر کی صورت میں فرد پر صبر وشکر، رضا باالقضا، زہد واستغنا کی صفات وکیفیات غالب رہتی ہیں، اس وقت وہ انسانیت کے سارے جوہروں سے بہرہ ور ہونے لگتی ہے۔

(۵۶) موجودہ دور میں اسلام کو ایسے داعیوں کی ضرورت ہے، جو بہتر علمی وذہنی صلاحیتوں کے ساتھ طاقتور روحانی صلاحیتوں کے حامل ہوں، جو بظاہر جماعتوں سے وابستگی کے باوجود عملاً دائراتی خولوں سے بلند ہوں، جو پوری ملت اسلامیہ کو ہی حقیقی جماعت سمجھتے ہوں، جو انسانوں کی دنیا و آخرت کی بھلائی کا درد اور اس کی تڑپ رکھتے ہوں، جو جدید انسان سے اس کے مزاج اور ذہنیت کے مطابق بات کرنے کا سلیقہ رکھتے ہوں، جو توکل، زہد اور استغنا کی دولت سے مالا مال ہوں۔

ان صلاحیتوں کے حامل داعی پیدا کرنا، وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے، ایسے داعیوں کے لئے دین کی محافظ ہستی کی طرف سے حالات سازگار بنانے اور حالات کے رخ کو ان کے حق میں موڑنے کا وعدہ ہے۔ بلکہ کامیابی اس طرح کے داعیوں کی منتظر ہے۔

(۵۷) ہر دور کے فتنے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر دور میں ابھرنے والا فتنہ اتنا سنگین ہوتا ہے کہ صلحائے امت کی توانائیاں اس فتنہ کے ازالہ میں صرف ہونے لگتی ہیں۔ موجودہ دور کا سب سے بڑا فتنہ پیٹ، جنس اور عقلیت محض کے تحت انسانی

زندگی کی تشکیل کے نظریات ہیں، اور انہی نظریات کے مطابق تعلیم وتربیت میڈیا اور سارے ریاستی نظام کی تعمیر ہے، جس کی وجہ سے خدا، مذہب اور اخروی زندگی کے عقائد اور دین ومذہب وشریعت سب غیر اہم اور بے معنیٰ ہو کر پیٹ اور جنس کی تسکین ہی مقصد حیات کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، عالمی سرمایہ دار جو سارے ملکوں کے حکمران اور مؤثر طبقات کو کنٹرول کرتا ہے، اس کی صنعتی پیداوار اور سرمایہ کی ساری گردش پیٹ اور جنسی جذبات وتقاضوں کی تسکین کے محور کے گرد گھومتی ہے۔ اس وقت پوری انسانیت، عالمی سرمایہ دار کی اسی ہوس زر اور ہوس جنس کا شکار ہے۔ جدید سارے مادی نظریات اسی کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں، ہمارے جدید طبقات انہی مادی نظریات کے زیر اثر ہیں۔ سیکولرزم یعنی دین ومذہب کی تعلیمات سے آزاد زندگی ان طبقات کا ہدف بن چکی ہے۔ یہ ایسا فتنہ ہے، جو تاریخ انسانی کا سب سے بڑا فتنہ ہے اور مغرب میں ہزاروں لاکھوں اہل علم واہل دانش نے مادیت پرستی پر مبنی انہی نظریات کے فروغ کے لئے اپنی زندگیاں صرف کر ڈالی، اور مغرب کا سارا ریاستی نظام انہی نظریات کی بنیاد پر متشکل ہوا ہے۔ مسلم دنیا کے پالیسی ساز طبقات بھی مغرب کی تقلید میں مسلمانوں کو تیزی سے اسی راہ پر لے جارہے ہیں۔

اب حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے خوشحال طبقات، وہ چاہے انفرادی زندگی میں کتنے ہی مذہبی ہوں، لیکن وہ عورت کی آزادی، مخلوط تعلیمی اداروں میں اپنی لڑکیوں کی تعلیم، اور ان کی بہتر سے بہتر ملازمت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے لئے ہر ممکن حد تک کوشاں ہے۔ دولت کے حصول کے لئے سود، رشوت اور ناجائز کاروبار میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے، بلکہ اسے ناگزیر سمجھتے ہیں۔

دین ومذہب پر جنس وپیٹ کے تقاضوں کو اہمیت دینا اور اسی کے مطابق زندگی کا نقشہ مرتب کرنا، جو نہ صرف اس دور کا، بلکہ تاریخ انسانی کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ ہمارے علمائے کرام اس فتنے کی سنگینی کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ سبب یہ ہے کہ ان کے تعلیمی نظام میں جدید مادی نظریات کے تقابلی مطالعہ اور جدید چیلنج کو سمجھنے کے حوالے سے کوئی کتاب شامل نہیں، چنانچہ علمائے کرام کو جدیدیت کے چیلنج اور جدید نظریات کے حوالے سے نئی نسلوں کی ذہنی تسکین اور علمی طور پر سنبھالنے کا کوئی انتظام واہتمام نہیں ہے۔

اس لئے مسلم معاشرہ یک طرفہ طور پر جدیدیت کی ہولناک طوفان خیزی کا شکار ہے۔ چنانچہ اس دور میں نئی نسلوں کو دینی اعتبار سے سنبھالنے کے لئے ملحد مغربی فلاسفروں کے تخلیق کردہ نظریاتی وعلمی فتنوں کا فہم از حد ضروری ہے۔

اگرچہ ملکوں اور قوموں کی سطح پر اب مادیت، مادی حسن پر فدائیت اور پیٹ اور جنس کی سرگرمیاں جاری ہیں اور یہ سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہیں، لیکن ان سرگرمیوں کے پس پردہ مادہ پرست فلاسفروں کے مادیت پر مشتمل نظریات کارفرما ہیں۔ اس لئے کسی حد تک ان نظریات کو سمجھنا ناگزیر ہے۔

(۵۸) دوسروں کو حقیر نگاہوں سے دیکھنا یا ان کی تحقیر کرنا ایسا گناہ ہے، جس سے نیکی کی استعداد سلب ہونے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ محتاط ہونے کی سخت ضرورت ہے۔

(۵۹) باہمی معاملات اور خدمت دین کے اجتماعی کاموں میں جب فرد کی رائے کی مخالفت ہوتی ہے اور اس کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے تو اس وقت فرد کے جذبات قابل دید ہوتے ہیں۔ اگر قلب میں ذکر کا وافر نور موجود ہوگا تو اس نور کی برکت سے بدلہ لینے کے احساسات جلد ہی کافور ہوجاتے ہیں، دوسری صورت میں ایک دوسرے سے منافرت اور دوری کی دیوار بڑھتی جائے گی اور تلخیوں میں اضافہ ہوتا جائے گا اور فرد وافراد رنجشوں کے احساسات کے زیر تلے دبتے چلے جائیں گے۔ اس طرح کے حالات میں ذکر کا نور اور پاکیزہ صحبت ہی فرد وافراد کے مزاجوں میں توازن وجذباتِ الفت پیدا کرسکتی ہیں، ورنہ یہ رنجش آہستہ آہستہ بڑھکر دینی ودعوتی

کاموں واداروں میں ٹوٹ پھوٹ کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اس طرح افراد، نفسانیت کے حملوں کی نذر ہوجاتے ہیں۔

ذکر اور صحبت کی اہمیت اس لئے بھی ہے، تاکہ باصلاحیت افراد باہمی معاملات میں نفسی قوتوں کی فریب کاریوں کو سمجھکر سنبھل سکیں اور خود احتسابی کی صورت پیدا ہو سکے، نفس کی فریب کاریوں کو عقل اور علم محض سے سمجھنا ممکن نہیں، اس کے لئے نور معرفت ناگزیر ہے۔

(۶۰) موجودہ دور کے جدید طبقات میں خدمت دین کے لئے دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے، ایک فکرمندی، دوم بہتر روحانی صلاحیتیں، اگر فکرمندی نہیں ہے تو محض روحانی صلاحیتوں سے جدید طبقات میں نفوذ کی صورت کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ اگر فکرمندی، تنظیمی ڈھانچہ اور وسائل بھی موجود ہیں۔ لیکن اگر روحانی قوت، باطنی نور اور تزکیہ کی استعداد حاصل نہیں تو اس ایک وفکرمندی سے دین کے لئے کام تو ہوگا، لیکن یہ کام جلد ہی خلفشار کا شکار ہوجائے گا یا ضابطائی نوعیت کا کام بن کر رہ جائے گا، اس لئے کہ فرد وافراد کے نفس کی بے لگامی پر محض علم وعقل کی مدد سے قابو نہیں پایا جا سکتا۔ یہاں تو قدم قدم پر روحانیت کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔ اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خدمت دین کے حوالے سے ہونے والا کام اکثر باہمی تصادم کی نذر ہوجاتا ہے۔

(۶۱) دنیا بھر کی اسلامی تحریکیں، ملت اسلامیہ کا سرمایہ ہیں۔ یہ تحریکیں ہی ہیں جو عالمی کفر، مادہ پرست عالمی قوتوں اور ان کے آلہ کار طبقات کے مادہ پرست مقاصد کی راہ میں حائل ہیں، اور معاشرہ کے جدید تعلیم یافتہ طبقات کو دین پر قائم رکھنے کے سلسلہ میں کردار ادا کررہی ہیں۔ ترکی میں اردگان کی سرکردگی میں چلنے والی اسلامی تحریک دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے امید کا سہارا ہے، آج مظلوم مسلمانوں کے لئے سب سے پہلی آواز جو ملکوں وقوموں کی سطح پر بلند ہوتی ہے وہ اردگان کی آواز ہے۔ یہ تحریک دراصل ترکی میں آج سے ۹۰ سال پہلے سعید نورسی کے شروع کردہ کام کا نتیجہ ہے۔ سعید نورسی صوفی تھے اور اسلام اور امت کا بے پناہ درد رکھتے تھے انہوں نے ترکی میں احیائے اسلام کے کام کی داغ بیل ڈالی ان کی فکر سے وابستہ افراد نے درون خال ذکر وفکر کے حلقے شروع کئے اور قرآن کی ابتدائی تعلیم سے کام کا آغاز کیا۔ مصر میں اخوان المسلموں کی تحریک بھی ملت کے سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اخوان نے علمی وسماجی ادارے مستحکم کئے اور بڑے پیمانہ پر علمی وعملی کام کیا جس کی وجہ سے وہ لاکھوں لوگوں کو بدلنے میں کامیاب ہوئی، آج وہ اسرائیل امریکہ اور اس کے مقامی آلہ فوجی حکمرانوں کے شدید ظلم وستم کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ اخوان کے داغ بیل حسن البناء نے ۱۹۲۸ء میں رکھی تھی۔ حسن البناء صوفی تھے اور غیر معمولی روحانی صلاحیتوں کے مالک تھے۔

جماعت اسلامی بھی اسلامی نقطہ نگاہ سے ایک مؤثر قوت ہے اور احیائے اسلام کے لئے اس کا کام قابل قدر ہے۔ ہندوستان، بنگلہ دیش اور پاکستان میں اس نے لاکھوں جدید تعلیم یافتہ افراد کو اسلام کے قریب کیا ہے اور دینی اعتبار سے انہیں سنبھالا ہے۔ لیکن جماعت اسلامی اخوان المسلمون اور مزکی کی اسلامی تحریک کی طرح معاشرہ میں اپنی بنیادیں مستحکم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی ہے۔

اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ جماعت نے روحانی تربیت اور تزکیہ کے لئے اہل اللہ سے رجوع ہونے اور ذکر وفکر کی لائین اختیار کرنے میں بخل سے کام لیا۔ بلکہ اہل اللہ سے شعوری طور پر دوری کا راستہ اختیار کیا، اس کی وجہ سے جماعت سے وابستہ افراد مستحکم بنیادوں پر اخلاقی اور روحانی تربیت سے قاصر رہے اور معاشرہ میں اپنی دینی اور اخلاقی حیثیت منوانے میں ناکام رہے۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ جماعت کے حلقوں میں اپنی فکر میں موجود اس خال کو سمجھنے والی صاحب بصیرت قیادت بھی موجود نہیں ہے۔

(۶۲) ذکر اور صحبت ایسی چیزیں ہیں، جس سے نفس کی دھلائی کا کام مسلسل ہوتا رہتا ہے۔

نفس کی طرف سے دل ، اور روح پر صبح سے رات گئے تک جتنے بھی زنگ لگتے رہتے ہیں۔ ذکر اور صحبت ان زنگوں کی صفائی کا کردار ادا کرتے رہتے ہیں، چونکہ نفس سراسر فساد کا سرچشمہ ہے، اس کی طرف سے ہر وقت دل وروح کی یرغمالی اور نفسیات میں بگاڑ پیدا کرنے کا عمل جاری رہتا ہے، اس لئے نفس کی اس یرغمالی اور فساد سے بچاؤ کے لئے ہی کثرت ذکر کا حکم صادر فرمایا گیا ہے۔

(۶۳) مولانا مناظر احسن گیلانی کے ایک مضمون میں پڑھا تھا غالباً علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ جہاں مذہب (سچا مذہب) نہ ہوگا، وہاں حیوانی ودرندگی کے مظاہر ہوں گے اور لوگ ایک دوسرے کو کاٹ کھائیں گے اور سانپوں اور بچھوؤں کی طرح ایک دوسرے کو ڈنگ مارتے رہیں گے۔

مذہب سے مراد ایسا سچا مذہب ہے، جس کی تعلیمات مکمل صورت میں موجود ہو، جس کے پاس تہذیب نفس کا مکمل پروگرام ہو، ظاہر ہے وہ مذہب دین اسلام ہی ہوسکتا ہے۔ اسلام جیسے مکمل دین کی موجودگی میں عملی طور پر ہمارا معاشرہ اسی درندگی کے مظاہر ومناظر ہی پیش کررہا ہے، جس کا ذکر ابن حزم نے کیا ہے۔

اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ جب روح پر نفس کی قوت غالب آجاتی ہے تو یہ نفس، انسانیت کی ساری حدود پھلانگ کر درندگی کی سرحدوں چھونے لگتا ہے۔ نفس کے غلبہ کی صورت میں مذہبی اعتقادات چند الفاظ کے تکرار کا نام بن کر رہ جاتے ہیں۔ جب تک دین ومذہب کے ذریعہ تزکیہ کا خصوصی اہتمام نہ ہوگا، اس کے لئے مجاہدے نہ ہوں گے، تب تک معاشرہ کو افراد کے مظاہرِ درندگی سے بچانے کی ساری کاوشیں ناکامی سے دوچار ہوں گی، رسمی اسلام اور ضابطہ کا اسلام معاشرہ کو افراد کی اس درندگی سے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اس نکتہ کا استحضار ضروری ہے۔

(۶۴) انسانی شخصیت کے بارے میں جدید ماہروں کی بعض تحقیقات ایسی ہے، جو انسانی شخصیت کو صحیح رخ دینے اور دین فطرت کی طرف لانے میں غیر معمولی طور پر معاون ثابت ہوسکتی ہے، مثلاً یہ تحقیق کہ ہم اب تک یہ سمجھے ہوئے تھے کہ معلومات کا اصل مرکز دماغ ہے، لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ معلومات کا سب سے بڑا مرکز دل ہے، دل میں دماغ جیسے معلومات کے چھوٹے چھوٹے ہزاروں مراکز موجود ہیں، نیز ہر نئی سائنسی وعلمی دریافت سب سے پہلے دل پر منکشف ہوتی ہے، اس کے بعد اس پر تحقیق شروع ہوتی ہے۔

یا یہ تحقیق کہ علم ومعلومات کا ایک اہم ذریعہ روشن ضمیر انسانوں کی صحبت ہے، جس سے ہم اب تک ناآشنا تھے۔ روشن ضمیر انسانوں کی صحبت سے روشنی کی شعائیں منتقل ہوتی ہیں، جو دماغ کی معلومات سے کہیں زیادہ مؤثر وطاقتور ہوتی ہیں۔

یا مثلاً یہ معلومات کہ فرد کہتا ہے کہ میری عقل یہ کہتی ہے، حالانکہ یہ عقل نہیں ہوتی، بلکہ عام طور پر نفس کی تاویلی صورتیں ہوتی ہیں، جو عقل کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔

یا یہ تحقیق کہ لاشعور ایک ایسی دنیا ہے، جہاں پیدائش سے موت تک کی یادیں موجود ہوتی ہیں۔ ان یادوں، ان واقعات یا ان اعمال کو لاشعور سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

جدید ماہروں کی اس طرح کی ساری معلومات بتاتی ہیں کہ شعوری طور پر مذہب کو مسترد کرنے کے بعد مغرب، سائنسی حقائق اور نفسیاتی تحقیق کے حوالے سے بتدریج انہی نتائج تک پہنچ رہا ہے، جو وحی کے ذریعہ مذہب کی صورت میں بتائے گئے ہیں۔ لیکن اسے انسانیت کا المیہ کہنا چاہئے کہ عالمی سرمایہ دار جو میڈیا اور تعلیم کے سارے ذرائع ووسائل پر قابض ہے، اس کے اپنے مفادات اس بات سے وابستہ ہیں کہ فطرت سے ہمہ آہنگ جدید سائنسی ونفسیاتی تحقیقات کو آشکار نہ ہونے

دیا جائے اور انسانوں تک اس کی آہنگ نہ ہونے دی جائے اور اس کی تشہیر وپبلسٹی سے بچا جائے، تاکہ انسانیت پر نفس ونفسانیت کا حیوان غالب ہو اور اس کی مادی اشیاء کی فروخت کا سارا تعلق شخصیت پر مادی حیوان کو غالب سے غالب تر کرنے سے ہی وابستہ ہے۔

(۶۵) یہ بات صحیح ہے کہ کتاب وسنت میں سب کچھ موجود ہے اور ہر انسان اس تعلیم پاک سے تزکیہ نفس کا سامان فراہم کرسکتا ہے۔ بیشک جہاں تک کتاب اللہ وسنت رسول کا تعلق ہے، وہ نفس انسانی کی رہنمائی کے لئے نہایت کامل اور اعلیٰ روشنیوں کا سرچشمہ ہے، لیکن اس تعلیم کو کما حقہ اس طرح پالینا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور نازک سے نازک روحانی منازل میں اپنی سمجھ پر بھروسہ کرکے، اس تعلیم سے اکتساب فیض کیا جا سکے، یہ صرف عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے پر موقوف نہیں، اگر ایسا ہوسکتا اور قرآن وحدیث کی حقیقی تعلیم تک رسائی صرف عربی زبان جاننے پر ہوتی اور اس طرح دین میں بصیرت وبصارت حاصل ہوجاتی تو اسلام میں ہر دور میں بہت سارے فرقے پیدا نہ ہوجاتے، جن میں اصطلاحی، معنوی وفروعی ہی نہیں، بلکہ اصولی اختلافات موجود ہیں۔ کتاب اللہ وسنت رسول کو اپنی ناتواں عقل کی روشنی میں دیکھنا اور اپنی پسند کے دلائل حاصل کرنا، یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ہمارا رجحان وعمل مزکی ہے۔

اسلام کے سارے فرقوں میں ہمیشہ تعلیم یافتہ اصحاب موجود رہے ہیں، جو صرف اپنی عقل وفکر پر ہی اعتماد کرتے رہے کہ صرف اپنی عقل کی رہنمائی میں منزل ومقصود پر پہنچا جا سکتا ہے۔ تو سب کی منزل ایک ہی ہونی چاہئے تھی، مقلد غیر مقلد، وہابی، اہل سنت، ومعتزلہ، اہل حدیث، اشعری، ماتریدی، شیعہ وخوارج میں اختلاف کی وجہ کیا تھی؟ ہم کس طرح یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ جو کچھ ہم سوچتے ہیں وہ بالکل صحیح ہے۔

ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ قرآن سے جو کچھ ہم سمجھتے ہیں، اس میں غلطی کا امکان نہیں اور ہماری فہم سے اعلیٰ اس کا کوئی مفہوم ہوہی نہیں سکتا، ہمیں یہ گمان کرنے کا کیا حق ہے کہ بے شمار اہل اللہ نے روحانیت کے بارے میں جو کچھ ان تعلیمات سے سمجھا ہے، وہ غلط ہے، صحت فکر، بازار میں لٹ تو نہیں رہی ہے کہ جس کا دل چاہے، اپنے نفس کے حوالے کردے اور اولیاء اللہ بے نیاز ہوجائے، کتاب اللہ وسنت رسول کو کما حقہ جان لینا، ہر کس وناکس کا کام نہیں، اس کے لئے مزکی دل ودماغ درکار ہے۔

نفس انسانی کا تزکیہ ان تعلیمات کو صرف عقلی بنیادوں پر سمجھنے سے نہیں ہوجاتا، اس کے لئے ضرورت ہے، ان تھک مجاہدوں کی اور مزکی عمل کی، اپنی پسند کی کتابیں پڑھ لینا اور بات ہے طہارت قلب بات ہے۔

(۶۶) اہل اللہ کی صحبت کے ماحول میں آنے کے بعد فرد کو جو نئی معنوی زندگی نصیب ہوتی ہے، اس میں بہت ساری نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، صبر وشکر کی نعمت ہے، زہد، درویشی اور دنیا سے استغنا کی نعمت ہے، اپنوں اور غیروں سے محبت ورواداری کی نعمت ہے۔ قلبی سکون اور خود اعتمادی کی نعمت ہے۔ زندگی بھر کے مسائل کے سلسلہ میں احساس کی پاکیزگی کی نعمت ہے، نفس سے معرکہ آرائی کرکے، شریعت پر چلنے میں آسانی وحلاوت کی نعمت ہے۔ خشیت وتقویٰ کی نعمت ہے، اللہ کی رضا پر راضی رہنے کی نعمت ہے، اگرچہ یہ نعمتیں مکمل صورت میں آخر میں جاکر ہی عطا ہوتی ہیں۔

تاہم ان نعمتوں کے کچھ نہ کچھ اجزاء شروع میں ہی ملنے لگتے ہیں، یہ ایسی عظیم نعمتیں ہیں، جس سے عام طور پر علم واستدلال کی حامل شخصیتیں دعویٰ کی وجہ سے محروم ہوتی ہیں، انہیں علم اور عقلی دلائل کے زور سے اہل اللہ کی صحبت سے حاصل ہونے والی ان نعمتوں، صفات وخصوصیات اور فیوض وبرکات سے آشنا کرنا ممکن نہیں، اس

لئے کہ ان نعمتوں کا تعلق باطن کی پاکیزہ کیفیات واحساسات اور ایمانی حلاوت سے ہے، ایمانی وروحانی کیفیات کو الفاظ میں بیان کرنا دشوار ہے۔ یہ نعمتیں دراصل دعویٰ سے دستبرداری، حقیقی طلب اور۔ اہل اللہ کے سامنے خود سپردگی کے نتیجہ میں ہی ملتی ہیں۔

دوسری صورت میں فرد زندگی بھر قیل وقال میں مصروف رہ کر، پاکیزہ کیفیات اور باطنی بصیرت سے محروم رہتا ہے۔

مولانا رومی نے ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ پیادہ اگر سوار (ہاتھی پر سوار ہونے والے سے) جھگڑنا شروع کردے تو اس کی سزا اسے مل کر رہتی ہے، اسی طرح اہل اللہ سے دشمنی کا نتیجہ باطنی نعمتوں سے محرومی کی صورت میں ہی ملتی ہے۔

(٦٧) مذہبی فرد جہاں قتل، زنا، سود اور شراب جیسے کبیرہ گناہوں سے بچنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، اسی طرح اسے تکبر، دنیا کی محبت، حسد، بغض، اور خودنمائی جیسے کبیرہ باطنی گناہوں سے بھی بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اس لئے کہ یہ کبیرہ گناہ بڑی بڑی نیکیوں کے اثرات کو زائل کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔لیکن ہم میں سے کتنے لوگ ہیں، جو ان باطنی گناہوں سے پرہیز کے معاملہ میں حساس ہوں اور ان سے بچنے کا خصوصی اہتمام کرتے ہوں۔

حالانکہ ان باطنی گناہوں کے بارے میں قرآن واحادیث میں سخت انتباہات آئے ہیں، دنیا سے محبت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ محبت ساری بڑائیوں کی جڑ ہے، یعنی دنیا کی محبت اپنے ساتھ بہت ساری بُرائیاں لاتی ہے۔تکبر کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جس میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔حسد کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ ریاکار کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ریاکار کا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا، یہاں تک جہاد وقتال میں بھی اس کی شرکت اس کے لئے وبال ثابت ہوگی۔ نرمی کے بارے میں فرمایا گیا کہ جو نرمی کی صفت سے محروم ہے، وہ سارے خیر سے محروم ہوگیا۔

(٦٨) تزکیہ کے سانچہ میں ڈھل کر نکلے بغیر فرد کی مثال اس خود ساختہ پودے کی سی ہوتی ہے جس کی کوئی ٹہنی اور شاخ درست نہیں ہوتی، ایسے پودے باغ کے حسن کو برباد کردیتے ہیں۔

جب کسی قوم وملت کے ہر شعبہ سے وابستہ قیادت خود رَو پودوں کی سی ہوجائے یعنی تزکیہ اور چھوٹے پن کے مراحل سے گزرے بغیر قیادت کے مقام پر فائز ہوجائے اور علمی وادبی، فکری، تحقیقی، سیاسی وسماجی اداروں کی سربراہی کے مقام پر فائز ہوجائے، جذبہ خودسری کی وجہ سے ایسی قیادت دل کی بصارت وبصیرت سے محروم ہوجاتی ہے، دل کی اندھی قیادت سے ملت کیا توقعات وابستہ کرسکتی ہے۔

(٦٩) راہ سلوک میں چلتے ہوئے طالب پر کئی موڑ ایسے آتے ہیں، جہاں وہ دل شکستگی سے دوچار ہوتا ہے، وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ کتنے ہی مجاہدے کرے، ان مجاہدوں کے ثمرات ظاہر نہیں ہوں گے اور اس کے مجاہدوں سے کام نہیں ہو سکے گا اور نفسی قوتوں کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔

یاس کی یہ حالت دراصل شیطان کی پیدا کردہ ہوتی ہے، جو طالب کو مایوس کرکے، راہ محبت سے دور لے جانا چاہتا ہے۔

اللہ بہت قدردان ہستی ہے، اپنے ذکر کرنے والوں کے لئے تو اس کا وعدہ ہے **فاذکرونی اذکرکم**، (تم میرا ذکر کروتو میں تمہارا ذکر کروں) اس سے بڑھکر بندہ مومن اور عاشق صادق کے لئے اور کیا خوش نصیبی ہے کہ اللہ اس کا ذکر کرنے لگے۔

ذکر کی سعادت کا حاصل ہونا، ذکر سے انسیت کا ہونا، بیشتر کاموں سے یکسو ہوکر، ذکر میں مصروف رہنا، یہ سعادت بجائے خود اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس سے بڑھکر دوسری کوئی سعادت ہوہی نہیں سکتی۔ اس لئے راہ سلوک میں پیش آنے والے

مدوجزر سے گھبرانا یا اس سے دل گرفتہ ہونا، صحیح نہیں، طالب کے ساتھ محبوب کی جو ادائیں ہیں، ان کو سمجھنا چاہئے کہ نفسی قوتوں کی بتدریج پامالی کی خاطر محبوب کی طرف سے اپنے جلال کے تیر بھی برستے رہتے ہیں۔ چونکہ نفس کی خوفناک قوت، محبوب کے جلالی صفات کے عکسوں کے بغیر پامال نہیں ہوتی، اس لئے طالب کی اپنی مصلحت اس میں ہوتی ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کی ساری کیفیات کو زیروزبر کیا جاتا رہے، تاکہ نفس میں بزرگی کا دعویٰ پیدا نہ ہو سکے۔

جب راہ معرفت میں طویل عرصہ تک چلتے رہنے کے نتیجہ میں نفس کے جملہ رزائل کی اصلاح اور تزکیہ کا عمل قابل ذکر حد تک ہوجائے گا تو اس کے بعد فرد کے ساتھ اعزار کا وہ معاملہ کیا جائے گا، جو حقیقی محبوب کے شایاں شان ہوتا ہے۔

اس لئے راہ سلوک میں یاس کی کوئی گنجائش نہیں۔ محبوب نے جس کو بھی اپنی راہ میں چلتے رہنے کی سعادت عطا فرمائی ہے، اس سعادت پر تو طالب پر محبوب کے لئے فدائیت اور جان نثاری کی ادائیں ہونی چاہئے، نہ کہ یاس اور دل شکستی کی۔

بالخصوص موجودہ دور جہاں اللہ کی محبت کے راز دانوں سے کوسوں دور رہنے کی نفسیات غالب ہے۔ جہاں اہل اللہ سے کدورت کی فضا غالب ہے، وہاں جس کو اہل اللہ کی صحبت کے ذریعہ اللہ کی محبت کی دنیا میں چلتے رہنے اور ذکر میں مستغرق رہنے کی نعمت عطا ہوئی، اسے گویا سعادت دارین حاصل ہوئی، اس کی خوش نصیبی پر رشک ہی کیا جا سکتا ہے۔

اس طرح کے فرد کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کے سامنے ساری دنیا کی دولت لاکر رکھدی جائے، جب کہ وہ فرد اس دولت سے ہزار گنا زیادہ بہتر دولت سے مالا مال ہوچکا ہو، ظاہر ہے اس کی نظر میں دنیا بھر کی دولت بے وقعت ہی شمار ہوگی۔

(اللہ تعالیٰ مجھ جیسے سیاہ کار کو بھی اپنے ایسے خوش نصیب بندوں میں شمار کرے اور اپنے دوستوں کی غلامی بجالانے اور ان کے در سے مستقلاً وابستہ رہنے کی سعادت عطا فرمائے۔)

(۷۰) حدیث شریف ہے کہ جو اللہ کے دوست سے دشمنی اختیار کرتا ہے، اللہ اس سے اعلان جنگ کرتا ہے۔

اللہ کا ایسے فرد سے اعلان جنگ کرنے کے کئی مفہوم ہوسکتے ہیں، ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے عبادت وذکر کی حلاوت سلب کر لی جاتی ہے، اسے ایسے کاموں میں مصروف رکھا جاتا ہے، اور ایسے کام مزین کرکے دکھائی دیئے جانے لگتے ہیں، جو بظاہر تو اچھے کام ہوتے ہیں، لیکن بباطن ان کاموں میں نفسی قوتوں کی شدید آمیزش شامل ہوتی ہے۔ حب جاہ، حب مال اور خودنمائی کے کاموں سے اس کی دلبستگی پیدا ہوجاتی ہے، اور اس طرح کے کام اس کا وظیفہ حیات بن جاتے ہیں۔

اعلان جنگ کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ ان سے قلبی سکون کی نعمت سلب کر لی جاتی ہے، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے ساتھیوں، عزیزوں اور دوستوں سے حالت کشمکش میں رہنے لگتے ہیں۔ انہیں خود اعتمادی کے بحران سے دوچار کر دیا پڑھتا جاتا ہے۔

بیدار ہونے اور سنبھلنے کی ضرورت ہے، اہل اللہ سے محبت وعقیدت نہ بھی ہو تو کم از کم ان سے دشمنی تو نہ ہو، انہیں حقیر سمجھنے کی نفسیات تو نہ ہو، ان پر اعتراضات کی بوچھار تو نہ ہو۔

اہل اللہ، جن ایمانی اور روحانی فضاؤں میں رہتے ہیں، محبوب حقیقی کے کثرت ذکر کی بدولت محبوب پر فدائیت کی جو ادائیں ان پر غالب رہتی ہے، اگر ان حالات کا معمولی عکس بھی ظاہر پرست افراد پر پڑجائے تو وہ وارفتہ ہوکر، ان کے آداب بجالانے اور ان سے نورانیت کے یہ اجزاء حاصل کرنے کے لئے مضطرب ہوجائیں۔ لیکن اللہ محبوب کی یہ عجیب ادا ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور ایسے افراد کے

درمیان حجابات کے پردے حائل کردیتے ہیں کہ وہ بھلے اپنی عقلیت اور اپنی علمیت پر ناز کریں اور مظاہرِ دعویٰ کرتے رہیں۔

(۷۱) معاشرہ میں پاکیزہ اخلاقی مقاصد کے لئے کام کرنا، مادہ پرست انسان کو انسان بنانے کی سعی کرنا، اس مقصد کے لئے جدید میڈیا اور جدید ذرائع کو اختیار کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے اور معاشرے کو بڑھتے ہوئے فساد، افراتفری اور ذہنی دباؤ سے بچانے کی سب سے بہتر صورت ہے اور نیکی کا بڑا کام ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں جو سب سے بڑی رکاوٹ موجود ہے، وہ یہ ہے کہ معاشرہ کا ذہین، باصلاحیت اور کھاتا پیتا طبقہ راہ معرفت کے اجزاء کے حصول کے لئے تیار نہیں، چونکہ مادہ پرست اور عقلیت پرست قوتوں کا مقابلہ محض عقلی صلاحیتوں سے ممکن نہیں، اس کے لئے ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ذریعہ کسی حد تک تزکیہ کی صلاحیت اور روحانی قوت کا ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر محض مادی وسائل سے باطل قوت کا مقابلہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی غیبی مدد کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

جب تک ذہین وباصلاحیت افراد معرفت کے اجزاء سے بہرہ ور نہ ہوں گے، تب تک باطل سے مقابلہ کی بہتر اور مؤثر صورت پیدا نہیں ہوسکتی اور اس سلسلہ میں ہونے والی ان کی ساری سرگرمیاں بے برکتی اور خلفشار کا شکار ہوں گی۔

(۷۲) روح کی عالم بالا کی طرف پرواز کی راہ میں مادی نفس کی کثافتیں اور حجابات ہی حائل ہیں، جو اس کے پروں کی کترنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ جب روح استغراقِ ذکر کے ذریعہ ان حجابات کو عبور کرنے اور روح کو لطیف سے لطیف تر بنانے میں کامیاب ہوجاتی ہے تو نفس کی کثافتیں تحلیل ہوجاتی ہیں، اور روح کے لئے دوسری دنیا کے حقائق، معارف واحوال کے انکشاف کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور ہوجاتی ہیں۔

یہ ایسی چیز نہیں ہے، جسے غیب وعلم غیب یا شرک وغیر شرک کا مسئلہ بنایا جائے، ایسا کرنا روح کی خصوصیات سے ناآشنائی ہے۔ روح، عالم بالا سے آئی ہے اور وہ عالم بالا میں ہی رہنا چاہتی ہے، اور اس کی سیر کرنا چاہتی ہے، یہ نفس کی مادی قوتیں ہی ہیں، جو اس کی راہ میں شدید رکاوٹ ہیں۔

نفسی قوتوں کے غلبہ کے ماحول کی وجہ سے ہی روح کی بلند پروازی کی حقیقت کو سمجھنے کے سلسلہ میں انکار کی روش غالب ہے۔ روح اپنی خالق ہستی کا قرب ومعیت حاصل کرنے اور اس کے انوار حسن سے متمتع ہونے کے لئے بے تاب اور مضطرب ہے۔

روح کی اس طلب کی تسلی وتسکین کا انتظام اس بات سے وابستہ ہے کہ وہ نفس پر فتحیابی حاصل کرکے، مادہ سے اوپر اٹھنے کے سلسلہ میں کس حد تک کامیاب ہے۔

ہمارے بیان کردہ اس نکتہ میں کشف اور دوسری دنیا کے مشاہدات بھی شامل ہیں، لیکن ہماری نظر میں ان مشاہدات کی حیثیت ثانوی ہے، اصل چیز روح کی محبوب حقیقی سے قربت کی وجہ سے اس کی اعلیٰ درجہ کی طمانیت وتسکین ہے۔ اور محبوب کے انوار حسن کی بہرہ وری کی وجہ سے اس کے اندر پیدا ہونے والے آداب انسانیت اور اس کے اوصاف ہیں۔

روح کو حاصل ہونے والے مشاہدات فرد کے لئے امتحان کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں کہ وہ اسے اپنی بزرگی کے مقاصد کے لئے استعمال کرے، پھر یہ مشاہدات شرعی اعتبار سے بھی حجت وسند کے حامل نہیں۔

(۷۳) مادی دنیا سے ماورئ دنیا میں زمان ومکان (یعنی وقت وفاصلے) کے پیمانے مادی دنیا کے پیمانوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں، اس لئے اِس دنیا کے حالات کو عقلیت کی مدد سے سمجھنا مشکل ہے۔ اس کے لئے وحی کے ذریعہ ہمیں جو معلومات دی گئی ہے، اس پر ایمان لانا کافی وشافی ہے۔

تاہم ایک حالیہ واقعہ سے دوسری دنیا کے زمان ومکان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، ہمارے حلقہ میں شامل ڈاکٹر (امجد صاحب) کا کہنا ہے کہ انہوں نے نیٹ پر یورپ کے کسی ملک میں ڈاکٹروں کو ایک انگریز مریض کا دل کا آپریشن کرتے ہوئے دیکھا، دوران آپریشن یہ حیرت انگیز بات ہوئی کہ مریض کا دل ۲۵ سیکنڈ کے لئے جسم سے نکل گیا، لیکن پھر واپس آیا، اس طرح آپریشن کامیاب ہوا، جب مریض کو ہوش آیا تو ڈاکٹروں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا دل چند سیکنڈ کے لئے نکل گیا تھا، اس نے کہا، کہ جی ہاں، مجھے معلوم ہے، ڈاکٹروں نے پوچھا کہ اس دوران تم نے کیا محسوس کیا، اس نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میرے سامنے پیدائش سے لے کر دل کی رخصتی تک کے میرے زندگی کے سارے واقعات کی تصویری جھلک (اعمال نامہ) پیش کیا گیا۔

اس سے ملتا جلتا واقعہ ہمارے ایک ساتھی جاوید صاحب کا بھی ہے، جاوید صاحب بتاتے ہیں کہ وہ غسل خانہ سے نہا کر نکلے، غسل خانہ کے دروازہ کے ساتھ بجلی کا بورڈ تھا، بورڈ کی تاریں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ میرا ہاتھ تار پر لگ گیا، جس کے زیر اثر چند سیکنڈ کے لئے مجھ پر موت کی سی کیفیت طاری ہوئی، میری والدہ نے میری یہ حالت دیکھکر بجلی کا مین سوئچ بند کر دیا، جس سے میری جان میں جان آئی، ان چند سیکنڈوں کے دوران میں نے دیکھا کہ میری ساری زندگی کا منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا، میں نے زندگی بھر جو بھی کارگزاری کی تھی، اس کی ساری تصویری جھلکیاں میرے سامنے تھی اور وہ مجھے دکھائی گئیں۔

یہ دو واقعات بتاتے ہیں کہ روح اور روحانیت کو عقلی پیمانوں سے ناپنا اور سمجھنا ممکن نہیں۔

(۷۴) اللہ کی والہانہ محبت فرد کو وقت، مال اور توانائیوں کے بے جا استعمال سے روکتی ہے اور اس سلسلہ میں اسے بے حد حساس بنا دیتی ہے۔ محبت کا رازدان فرد وقت، مال اور توانائیوں کے بے جا استعمال کا متحمل نہیں ہوسکتا، وہ ایک ایک لمحے کے صحیح استعمال کے لئے فکرمند رہتا ہے، وقت کا بے جا استعمال اور غیرضروری گفتگو اسے اذیت سے دوچار کردیتی ہے۔ تالیف قلب کی خاطر اگر وہ ایسا کرتا ہے، تو یہ اس کی مجبوری ہوتی ہے کہ دوسروں کی تالیف کرنا خود اجر وثواب کا باعث ہے۔

دوستوں، ساتھیوں اور اداروں میں کام کرنے والے افراد کے درمیان تعلقات میں جو سرد مہری بلکہ خرابی پیدا ہوتی جارہی ہے، اس کی وجہ سے ادارے زوال پذیری کا شکار ہیں، اور یہ معاشرتی رویے ایک دوسرے سے کشیدگی اور باہمی رسہ کشی اور خاندانوں و دوستوں کے درمیاں ٹوٹ پھوٹ کا موجب بن رہی ہے۔

(۷۵) ایک حدیث شریف ہے کہ جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے سے دستبردار ہوگا اس کے لئے جنت کے درمیان میں محل تعمیر کیا جائے گا اور جو ناحق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑے گا، اس کے لئے جنت کے کنارے پر محل بنایا جائے گا۔

اس حدیث شریف میں باہمی تعلقات کی استواری اور جھگڑے والی چیزوں میں الجھنے سے بچاؤ اور اس کام کی اہمیت وفضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔

باہمی تعلقات میں خرابی یا تو سخت دلی کی وجہ سے ہوتی ہے، یا مفادات اس کا سبب ہوتے ہیں یا غلط فہمیوں کی وجہ سے یہ کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ تعلقات کی خرابی کو تین طریقوں سے زیادہ بہتر طور پر دور کیا جا سکتا ہے۔

ایسے لوگوں کے لئے ہدیوں کا اہتمام کیا جائے، یعنی انہیں ہدیے پیش کئے جائیں۔ سلام میں پیش قدمی کی جائے اور ملاقات کے وقت مصافحہ کرتے وقت یا گلے ملتے ہوئے گرم جوشی کا مظاہرہ کیا جائے۔ یہ گرم جوشی دلی محبت کی علامت میں شمار ہوتی ہے۔ چند بار ایسا کرنے سے انشاء اللہ تعلقات میں کشیدگی کم ہوجائے گی۔

البتہ تکبر اور دعویٰ کی وجہ سے جو کشیدگی پیدا ہوتی ہے، اس کا دور ہونا دشوار تر

ہوتا ہے۔ اس کی صورت تو کثرت ذکر اور اہل اللہ کی صحبت ہی ہے۔

(۷۶) تین چیزوں کی اہمیت مسلمہ ہے، ان میں سے کسی بھی چیز کو غیر اہم سمجھنا یا ان میں سے کسی کا انکار کرنا سخت نقصان دہ ہے۔ بلکہ ایسا کرنا فرد کے دین کے لئے خسارہ کا موجب ثابت ہوگا۔ پہلی چیز علم ہے۔ اگر قرآن وحدیث کا صحیح علم ہو، وہ چاہے درس وتدریس کے ذریعہ حاصل ہو یا بزرگوں کی کتابوں کے وسیع مطالعہ سے حاصل ہو، یہ افضل ہے۔ اگر اس کے لئے وقت نہیں ہے تو ضروری دینی مسائل کے سلسلہ میں علماء سے پوچھ پوچھ علم حاصل کیا جائے۔

دوسری چیز اسلامی شریعت کے ظاہری احکامات وتعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہے۔شریعت کی تعلیمات پر عمل کے بغیر فرد کی اسلامیت خطرہ میں پڑ جاتی ہے اور وہ نفسی قوتوں کی طوفانی لہروں کی نذر ہوجاتا ہے۔

تیسری چیز اخلاص، تقویٰ وخشیت ہے (جسے علم معرفت بھی کہا جا سکتا ہے) اخلاص کے بغیر اعمال کی قبولیت متاثر ہوتی ہے اور اعمال کے بے وزن ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ یہ اخلاص یا علم معرفت ایسی چیز ہے، جس کے سیکھنے کے لئے پہلے لوگ دس دس پندرہ پندرہ سال خانقاہوں میں جاکر، ذکر وفکر کے مجاہدے کرتے تھے اور نفس کی قوتوں کو آخری حد تک پامال کرکے، اسے اللہ کے حوالے کرتے تھے اور للھیت وبے نفسی کے مزاج کو راسخ کرتے تھے۔

(۷۷) اس وقت باطل قوتوں نے معاشروں اور قوموں کی زندگیوں میں جو فساد برپا کر رکھا ہے، اس کے مقابلے اور مختلف شعبوں اور محاذوں پر خدمت اسلام کے کام کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

باطل سے مقابلہ کا کام اپنی شخصیت کو باطل کے اثرات سے بچانے کے کام سے گزرتا ہے۔ جو باصلاحیت افراد، اصلاح نفس کے کام میں مصروف ہیں، ان کی توجہات، وقت اور صلاحیتوں کا ایک حصہ معاشرہ کو بڑھتے ہوئے فساد سے روکنے اور اصلاح کاری کے فروغ میں بھی صرف ہونا چاہئے، اس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام ہمارے دینی فرائض میں شامل ہیں۔

اگر اس کام میں بیشتر قوتیں صرف نہ بھی ہوں تو کچھ نہ کچھ وقت تو صرف کرنا ضروری ہے، یا دینی ودعوتی اداروں سے تعاون کرنا لازم ہے۔ معاشرہ میں دینی ودعوتی اداروں کے استحکام سے بڑھتے ہوئے فساد میں کمی واقع ہوگی اور خیر وبہتری کی صورت پیدا ہوگی۔

(۷۸) اقامت دین کی جتنی بھی صورتیں ہیں، وہ سب ذکر وفکر کے ذریعہ اللہ سے مستحکم تعلق قائم کرنے سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔

اپنی شخصیت پر اسلام کو نافذ کرنا اور نفسی قوتوں سے احکاماتِ اسلامی کو منوانا ہو یا افراد معاشرہ پر اسلام کو قائم کرنا ہو، یا حکومتی سطح پر اسلام کا نفاذ اور اس کا قیام ہو، ان سب کا تعلق ذکر وفکر ہی سے ہے، اس لئے کہ اس کام میں اخلاص، ذکر ہی سے پیدا ہوتا ہے، شخصیت پر صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) ذکر ہی سے غالب ہوتا ہے۔

ساتھیوں سے محبت کا تعلق ذکر ہی سے مستحکم ہوتا ہے۔ اس کام میں ہر طرح کے حالات میں استقامت بھی ذکر ہی سے عطا ہوتی ہے۔ اس سارے کام میں پیش آنے والے مدوجزر سے بچاؤ کی صورت بھی ذکر ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

ذکر کا خصوصی اہتمام وانتظام نہ ہونے کی وجہ سے اقامت دین کی جدوجہد کے دوران اشتعال، ضد، چڑ اور دعویٰ سے بچنا ممکن نہیں۔ اس طرح اقامت دین کی تحریک، قیادت اور کارکنوں کے نفسی تضادات کا شکار ہوکر، ایک دوسرے سے ٹکراؤ اور کشیدگی کی نذر ہوجاتی ہے۔

اقامت دین کا کام جتنا عظیم ہے، اس کام کے لئے اس سے زیادہ عظیم چیز کا سہارا لینے کی ضرورت ہے۔ وہ عظیم چیز ولذکر اللہ اکبر (اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے) ہے۔

(۷۹) رسول اللہ ﷺ ، صحابہ کرام اور سارے بزرگان دین کی زندگی ذکر وعبادت ہی سے وابستہ ہے۔ آپ ﷺ رات کا قیام اتنا لمبا کرتے تھے کہ پاؤں پر ورم آجاتا تھا، آپ کی زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہتی تھی۔ احادیث میں آپ ﷺ سے اتنے زیادہ ذکر اذکار ثابت ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کا بڑا حصہ اسی سے وابستہ تھا۔ دوسرے سارے کاموں کی سرانجامی کے ساتھ ذکر سے آپ کا اشغال اور اس میں غیر معمولی مشغولیت دراصل آپ کے وقت میں غیر معمولی برکت کا نتیجہ تھی اللہ نے آپ کے لئے زمان ومکان کے فاصلے اٹھا دیئے تھے، دوسرے افراد کے لئے جو کام کئی دنوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود دشوار تھا، وہ کام آپ دن کے ایک حصے میں سرانجام دیتے تھے۔

ذکر واذکار اور عبادت میں انہماک کے سلسلہ میں صحابہ کرام بھی آپ کے تتبع کی کوشش فرماتے تھے۔ سورہ المزمل میں اللہ تعالیٰ نے اس کا خصوصی ذکر فرمایا ہے۔

بزرگان دین کے حالات وواقعات بڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ ذکر وفکر اور عبادت کے مجاہدوں میں صرف کیا، نفس کو بڑی حد تک مطیع کرنے کے باوجود زندگی کی آخری سانس تک ان کے ذکر وفکر کے مجاہدے جاری رہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے تیس سال تک ذکر وفکر کے مجاہدے کئے، حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ نے ۲۵ سال تک دوسری روایت کے تحت ۴۰ سال مجاہدوں میں بسر فرمائے، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے پچاس سال تک مجاہدے کئے اور اپنے مرشد کی خدمت انجام دی، امام غزالیؒ نے دس سال تک ذکر وفکر کے مجاہدے کئے، مولانا رومیؒ نے سولہ سال تک شب وروز مجاہدے کئے۔

جب اسلام کی تاریخ ساز اور نامور شخصیتوں بلکہ اسلام کی پوری تاریخ اللہ کے ذکر وفکر کے مجاہدوں سے عبارت ہے تو دور جدید کی اسلامی تحریکیں اگر اپنی اجتماعی زندگی میں ذکر وفکر کو اہمیت نہ دیں گی تو وہ اپنی پوری اسلامی تاریخ سے انحراف کی مرتکب ہوں گی۔ اس طرح وہ اقامت دین کی جدوجہد کے لئے کوئی قابل ذکر کردار تو کیا ادا کریں گی، مگر اپنے کارکنوں کو اقامت دین کے مبارک نام پر اللہ کے ذکر سے دور اور محروم کرنے کا ذریعہ بنیں گی اور ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے کدورتوں اور رنجشوں اور ٹوٹ پھوٹ سے سرشار کرنے کا موجب بھی ثابت ہوں گی۔ اس لئے کہ کثرت ذکر کے بغیر نفس کی کدورتوں، کثافتوں اور ایک دوسرے سے رنجشوں سے بچنا ممکن ہی نہیں۔ اقامت دین کی جدوجہد کو خود سب سے بڑا ذکر شمار کرنا، یہ بڑی غلط فہمی ہے، جو قرآن واحادیث کی تصریحات کے بالکل ضد ہے۔

(۸۰) معاشرہ میں اسلامی تحریک کا نفوذ اور اس کے لئے ہمہ جہتی کام بالخصوص سیاسی سطح پر اسلامی تحریک کا فعال ومتحرک ہونا اور ریاستی اداروں میں اسلامی تحریک کے اثرات کا ہونا، وقت کی اہم اور سب سے زیادہ ضرورت ہے، اس لئے کہ کفر وبُرائی کی مقامی وعالمی طاقتوں سے مقابلہ اور غلبہ دین کے کام کا سارا تعلق معاشرہ میں اقامت دین کی تحریک کے استحکام سے ہے، لیکن اس کے لئے بہتر منصوبہ بندی اور بہتر سے بہتر تدابیر کے ساتھ ساتھ کارکنوں کا ذکر وفکر کے سانچہ میں ڈھلنے کا اہتمام ہونا ناگزیر ہے۔

اگر اقامت دین کی تحریکیں اپنے اجتماعی نظام میں ذکر وفکر کے ذریعہ اللہ سے مستحکم تعلق کا اہتمام کرنے میں کامیاب ہوں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کے کام میں موجودہ کام کے اثرات سے کئی گنا زیادہ مثبت اثرات ہوں گے۔

اور معاشرہ کی اسلامی خطوط پر تبدیلی میں اتنی تیز رفتاری پیدا ہوگی، جو حیرت انگیز ہوگی، اس لئے کہ بہتر تنظیم، ظاہری مادی وسائل اور کارکنوں کے جذبہ دین اور قربانی وایثار کے مادہ کے ساتھ جب ذکر کی نورانیت اور اخلاص شامل ہوگا تو

معاشرے پر اس کے فیصلہ کن اثرات ظاہر ہوں گے۔

(۸۱) صوفی کا کام نشتر زنی کرنا نہیں ہے، بلکہ سبیل محبت چلانا ہے۔ سبیل محبت سے قلوب مسخر ہوتے چلے جاتے ہیں، جب کہ نشتر زنی سے دلوں میں محبت باقی نہیں رہتی اور دوری کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ صوفی، افراد معاشرہ سے محبت ورواداری کے معاملہ میں بہت آگے ہوتا ہے، تصوف واہل تصوف کے نام پر جہاں بھی مزاج میں سختی یا تعصب شامل ہوگا، وہاں یہی سمجھا جائے گا کہ عمارت کی بنیاد میں کمی وکوتاہی واقع ہوئی ہے اور صوفی ابھی خام ہے اور وہ پختگی کے مقام تک نہیں پہنچا، صوفی اگر معاشرے کی خرابیوں پر تنقید بھی کرتا ہے تو اس کا مقصود اصلاح اور اللہ کی رضامندی ہوتی ہے۔ اس کی تنقید میں نفسیات نہیں ہوتی۔ تنقید کے بغیر چونکہ کمزوریوں کا ادراک نہیں ہوتا، اس لئے کمیوں وکوتاہیوں پر محبت سے تنقید کرنا، یہ داعی کا دینی فریضہ ہوتا ہے۔ حکمت سے اس دینی فریضہ کی سرانجامی ضروری ہے۔

(۸۲) تصوف، نام ہی ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے ذریعہ، دنیا واہل دنیا سے بلند ہوکر، اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے اور آخرت کی زندگی میں کامیابی کے لئے مجاہدوں کا ہے۔ اللہ کے کثرت ذکر کے بغیر اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کی خصوصیات کا پیدا ہونا اور نفس کی آلائشوں سے بچنا ناممکنات میں سے ہے۔ اس لئے سارے بزرگوں کو ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے ذریعہ طویل عرصہ تک نفسی قوتوں سے معرکہ آرائی کرنی پڑی اور نفسی قوتوں پر فتحیابی کے ذریعہ پاکیزہ انسانی اوصاف سے بہرہ وری کی راہ اختیار کرنی پڑی۔

ذکروفکر کے مجاہدوں کی راہ سلف اور بزرگان دین کی کوئی اپنی اختیار کردہ راہ نہیں ہے، بلکہ یہ قرآن وسنت کی بتائی ہوئی راہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے ذکر پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ ذکر کے موضوع پر کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

(۸۳) اس نکتہ کا فہم بھی ضروری ہے کہ دل پر قرآن کا مفہوم آشکار اور واضح ہو، اس میں تقویٰ اور خشیت پیدا ہو، بلکہ خشیت کا مزاج راسخ ہو، اس کے لئے دل کی پاکیزگی اور نفسی قوتوں سے اس کی یرغمالی سے آزادی ضروری ہے۔ عقل وعقلیت کو تیز کرنے سے بھی دل کی صلاحتیں مضمحل ہوتی ہیں۔ عقل چونکہ عام طور پر نفس کا ساتھی ہوتا ہے اور وہ نفس کی طرح مادہ کی پیداوار ہے، اس لئے علم اور استدلال سے دل کی پاکیزگی کا کام عام طور پر نہیں ہو پاتا، اس لئے اکثر دیکھا گیا ہے کہ ظاہری علم پر اکتفا کرنے والے دعویٰ کے مریض بن جاتے ہیں اور قرآن سے حقیقی استفادہ حاصل کرنے کی ان کی صلاحیت مضمحل ہوجاتی ہے۔

دل کی پاکیزگی، اور اس کی صفائی ناگزیر ہے، جس کا ذریعہ اہل اللہ کی صحبت ہوسکتی ہے۔ صحبت سے زندہ انسانوں میں موجود طاقتور مثبت شعائیں منتقل ہوتی ہیں، جو افراد کے دلوں کے امراض کو دور کرنے، بلکہ صحیح معنیٰ میں دلوں کی زندگی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

(۸۴) عقل کی خاصیت یہ ہے کہ جس چیز کا اسے ادراک نہ ہو، اس کا انکار کیا جائے، چونکہ عقل، معرفت کے ادراک سے قاصر ہے، عقل، اللہ کی محبت کے اسرار ورموز کے فہم سے قاصر ہے۔ عقل، پاکیزہ باطنی کیفیات واحساسات سے لطف اندوز ہونے سے ناآشنا ہے، اس لئے جو عقل، قلب سلیم کی لطافتوں سے بہرہ ور نہ ہو، وہ اپنے علم پر نازاں ہوکر، دعویٰ وضد میں آکر، اہل اللہ کی تکذیب کی راہ پر گامزن ہوجاتا ہے۔

یہ ایسی چیز ہے، جو فرد کو باطنی بیماریوں کے ادراک سے محروم کر دیتی ہے اور ظاہری علم کا حامل فرد اکثر پوری زندگی حسد، جلن، خود نمائی، دعویٰ اور حب مال جیسی بیماریوں کے امراض کی حالت میں گذار دیتا ہے۔ اور زندگی کے ہر اہم موڑ پر اس سے ان بیماریوں کا اکثر صدور بھی ہوتا رہتا ہے۔

یہ بہت تشویشناک صورتحال ہے۔ اہل علم وعقلیت کے صاحبان کو سنبھلنے، بیدار ہونے اور خود احتسابی کی ضرورت ہے۔ یہ خود احتسابی عقل کی سرحدوں سے آگے بڑھکر، دل کی صلاحیتوں کی بیداری اور دل تک رسائی کے بغیر ممکن نہیں۔

جب صاحبان علم وصاحبان عقل دل کی گہرائیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو دعویٰ سے دستبردار ہوکر، عاجزی، انکساری، اپنی حیثیت ومان ومرتبہ کی نفی کی محمودہ صفات کے حامل ہوجاتے ہیں۔

یہ اتنی پاکیزہ ادا ہے کہ اس کی برکت سے اللہ محبوب کی طرف سے اہل علم وصاحبان عقل کے دلوں کو کھول دیا جاتا ہے اور انہیں معرفت کے علوم سے سرشار کر دیا جاتا ہے اور انسانیت نوازی کے آداب سے بہرہ ور کیا جاتا ہے اور قرآن میں موجود نور اور اس کی روح تک پہنچا دیا ہے۔

(۸۵) ہمارے بیشتر مسائل کا حل اداروں، درسگاہوں اور جماعتوں میں مقامی سطح پر ایک عالم ربانی (جسے صوفی کہیں مربی ومزکی کہیں یا عاشق صادق کہیں) کا اہتمام ہونا ضروری ہے، تاکہ یہ عالم ربانی اپنی روح کی حرارتوں سے روح کو غذا دیتا رہے اور روحانی قوتوں کی بیداری کا کردار ادا کرتا رہے۔

اس کے ساتھ ساتھ علمی اور فکری طور پر اس نکتہ کو بھی واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ دل وروح کو اللہ کی محبت سے سرشار کئے بغیر انہیں دوسری محبتوں کا مرکز بنانے سے بچنا ممکن نہیں۔ اللہ کی محبت طاقتور صورت میں موجود نہیں تو دوسری محبتیں غالب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں اور دل وروح پر اللہ کی محبت کو غالب کرنے کا ذریعہ عالم ربانی اور مربی ومزکی ہی ہوسکتا ہے۔ اس نکتہ کی توضیح وتشریح پر ایک کتاب بھی تیار ہوسکتی ہے۔ جو اداروں، جماعتوں اور درسگاہوں میں نصاب کے طور پر شامل ہو، تاکہ نظریاتی طور پر اللہ کی محبت کا شعور اجاگر ہو۔

(۸۶) ہم اپنی روزہ مرہ کی زندگی میں جن مسائل ومشکلات سے دوچار ہیں، یہ مسائل واپڈا کے ہاتھی کے ذریعہ کچلنے کے مسائل ہوں، یا سرکاری وپرائیویٹ تعلیمی اداروں کی زبوں حالی، بھاری فیسوں اور تعلیم کے نام پر جہالت کی ڈگریاں دینے کے مسائل، سرکاری دفتروں سے وابستہ مسائل میں رشوت دینے اور بار بار چکر لگاتے رہنے کی مشکلات ہوں، یا عدالت سے وابستہ مسائل میں زندگی بھر کیسوں کو بھگتے رہنے کے دشواریاں، ہسپتالوں کی بھاری فیسوں کے مسائل ہوں یا سیوریج کے مسائل، بڑھتی ہوئی مہنگائی کے مسائل ہوں یا بدامنی کے مسائل، یہ سارے مسائل خالص اخلاقی نوعیت کے ہیں، جو دنیا کو ترجیح دینے، دولت سے فدائیت کی حد تک محبت کرنے اور ہوس زر کا نتیجہ ہیں۔

یہ مسائل روح پر نفس کی قوتوں کو غالب کرنے اور درد انسانیت سے محرومی کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوئے ہیں، ان سارے مسائل کا علاج یہی ہے کہ ہم اللہ کے ذکر کے ذریعہ درد انسانیت سے آشنا ہوں، مادہ پرستی اور نفسی قوتوں کی گرفت سے آزادی حاصل کریں اور انسانی جوہروں سے بہرہ ور ہوں۔

ان ہمہ جہتی نوعیت کے مسائل نے افراد معاشرہ کو ذہنی مریض بنا دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارے شعبوں سے وابستہ افسران اور سارے مؤثر طبقات میں سنگ دلی، انسانیت آزاری، اپنے فرائض وذمہ داریوں سے غفلت اور ہوس زر کی ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے اور انتہا تک پہنچ گئی ہے کہ واپسی کے راستے مسدود ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

تاہم ہمارا کام صدا دیتے رہنا ہے اور صحیح علمی رہنمائی کرنا ہے۔ اپنی حالت میں تغیر پیدا کرنا، یہ ان کا اپنا کام ہے۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ ملت کے سارے مؤثر طبقات نے لوٹ مار، ہوس زر اور

خاص طبقات میں دولت کے ارتکاز کا جو نظام تشکیل دیا ہے، وہ اسے بدلنے کے لئے اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں، پاکیزہ اخلاقی نصب العین کو اختیار کریں، روح کو اس کی غذا دینے اور محبوب حقیقی سے محبت کے تعلق مستحکم کرنے کی طرف رجوع ہوں تو انشاء اللہ سلگتے ہوئے ان مسائل کی سنگینی سے بچاؤ کی ازخود صورت پیدا ہوگی۔

دوسری صورت میں اللہ کی مخلوق کو پریشانیوں اور مصائب میں مبتلا کرنا، ان کی زندگیوں میں زہر گھولنا، محض ہوس زر کی خاطر ملت کے کروڑہا افراد سے روٹی کا نوالہ چھیننے کی روش کا ہونا، یہ خود مالدار افراد کی زندگیوں کو اجیرن بنانے اور ان کے سکون کو غارت کرنے اور انہیں اس دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی زندگی میں بھی عذاب الٰہی سے دوچار کرنے کے مترادف ہوگا۔ سنبھلنے اور ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔

(۸۷) احیائے دین اور جہاد کا کام دین کے بنیادی کاموں میں شامل ہیں، اس کے بغیر دین کا تسلسل متاثر ہوگا، اس لئے یہ کام دینی فرائض میں شمار کئے گئے ہیں۔ لیکن احیائے دین اور جہاد کی ایسی فکر، جس میں ائمہ سلف، علمائے ربانیین، بزرگان دین اور اجماع امت کی اسلامی فکر کا تسلسل شامل نہ ہو، اس سے جو مزاج تشکیل ہوگا، اس میں سلف کے پیدا کردہ اسلامی مزاج سے مطابقت پیدا نہ ہوسکے گی، ایسی فکر میں، تقویٰ، طہارت، خشیت، معرفت، محبت، سیرت سازی، کردار سازی اور دل وروح کی تسکین کا انتظام واہتمام نہ ہوگا اور امت کے چودہ سوسالہ علمی ذخیرہ سے بھرپور استفادہ کرنے کی استعداد مضمحل ہوگی۔ بلکہ سلف پر عدم اعتماد کی فضا پیدا ہوگی اور ان کے فیوض وبرکات سے محرومی ہوگی۔

اس فکر کی مثال اس کمزور زنجیر کی سی ہے، جو زور دینے یا حالات کے دباؤ سے ٹوٹ سکتی ہے، جب کہ امت کے چودہ سو سالہ تسلسل سے وابستگی اور لاکھوں بزرگان دین کے بنیادی فکری وعلمی خطوط سے مستحکم تعلق کا مطلب اپنی شخصیت کو زنجیر کی نہ ٹوٹنے والی کڑیوں میں جکڑنا ہے، جس زنجیر کو لاکھوں بزرگان دین نے مستحکم سے مستحکم کیا ہو، ظاہر ہے وہ زنجیر فرد وافراد کے دین وایمان کے استحکام ہی کا ذریعہ ثابت ہوگی، جب کہ نئے دور کے کسی مفکر یا عالم کی نئی تعبیر سے دین وایمان کے استحکام کی وہ حالت پیدا نہیں ہوسکتی۔

خالص عقلیت کے سانچہ میں ڈھلنے والے مزاج کے حامل افراد کے لئے اس نکتہ کا فہم مشکل ہے، اس لئے کہ ان کی ساری فکری تربیت ایک ہی مفکر یا ایک ہی عالم کے فکری سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے، جس میں تزکیہ کے حاملین، اللہ کی محبت کے رازدانوں کی اہمیت اور دل وروح کی مطلوبہ غذا سے اعراض ہوتا ہے۔

(۸۸) اداروں، درسگاہوں اور جماعتوں میں اگر ایک بھی دانا بینا شخصیت موجود نہیں ہے تو وہ ادارے اور جماعتیں انسان سازی کے محاذ پر قابل ذکر کردار ادا کرسکیں، معاشرہ کو پاکیزہ کردار کے حامل افراد دے سکیں، مشکل ہے۔ بلکہ دانا بینا افراد سے محرومی کی سب سے بڑی سزا خود ان اداروں کو افراد کی اناؤں کے ٹکراؤ کی صورت میں ملتی ہے۔

وہ ادارے اکثر داخلی طور پر ٹکراؤ سے دوچار رہتے ہیں۔ اگرچہ ذاتی مفادات کی خاطر یہ ٹکراؤ، اداروں کی ٹوٹ پھوٹ کی صورت میں ظاہر نہ بھی ہوسکے تو اداروں میں باہمی زنجشوں اور ایک دوسرے سے کدورتوں کا ماحول تو ضرور موجود رہے گا، جس سے دینی محاذ پر پیش قدمی اور انسانیت سازی کے اعتبار سے اداروں کے اثرات ونتائج بے معنیٰ ہوں گے۔ اس طرح اداروں، درسگاہوں وجماعتوں میں بلند ہونے والی قال اللہ وقال الرسول کی باتیں دل کی گہرائیوں میں داخل ہوکر، افراد کے اندر کو بدلنے میں ناکامی سے دوچار ہوں گی۔

دانا بینا شخصیت سے ہماری مراد معرفت اور کثرت ذکر کے ذریعہ نفسی قوتوں کو بڑی حد تک مطیع کرنے والی شخصیت ہے۔ اگر کسی بھی ادارے کے ذمہ داروں میں اس طرح کی ایک بھی شخصیت موجود نہیں ہے تو وہ ادارہ معاشرے کو علوم وفنوں تو دے سکے گا لیکن دین کو مخلص داعی اور خادم فراہم کر سکے، دشوار تر ہے۔

دانا بینا شخصیت، نفس کی ساری اداؤں اور اس کے مکر وفریب کے سارے داؤں سے آشنا ہوتی ہے اور ان سے بچاؤ کی قوت وحوصلہ بھی رکھتی ہے۔ وہ خود بھی نفس کے فتنوں سے بچکر اداروں کو اپنے نفس کے فساد سے بچاتی ہے تو اداروں میں کام کرنے والے افراد کی رہنمائی کا کردار بھی ادا کرتی ہے۔

اس نکتہ کو سمجھکر دانا بینا افراد کی تیاری کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دینا ہوگی۔

(۸۹) ذکر میں استغراق کے نتیجہ میں روح، عقل اور حواس خمسہ سے چھپ چھپا کر عالم بالا کی سیر کرنے لگتی ہے۔

اس سیر میں وہ اس طرح مصروف ہوجاتی ہے کہ مادی حسیں کچھ دیر کے لئے معطل ہوجاتا ہیں۔ اس سیر کے نتیجہ میں روح پر نیم غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ جس طرح حالت نیند میں روح نکل جاتی ہے، اس سے ملتی جلتی کیفیت روح کی استغراق ذکر کے وقت ہوتی ہے۔ اس وقت اور ذکر سے کچھ وقفہ کے دوران بھی کچھ لمحات کے لئے ذہن، مادی اشیا کی یادوں کے حوالے سے کام کرنے سے قاصر ہوجاتا ہے۔ بعض اوقات، روح عالم بالا میں موجود مناظر ومظاہر کے مشاہدہ سے بھی بہرہ ور ہوکر آتی ہیں۔ یہ ساری چیزیں ذکر میں استغراق کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

(۹۰) جس طرح سائنسدان لیبارٹی میں اشیائے کائنات کے مشاہدہ اور ان اشیاء میں موجود خصوصیات اور ان کے تجزیہ وتحلیل کے کام میں مصروف ہوتا ہے، اسی طرح صوفی، دل وروح اور استغراق ذکر کے ذریعہ مادی نفس کی دنیا سے ماوریٰ دنیا میں داخل ہوکر، اس دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے اور نفس، دل وروح کی خصوصیات اور ان کا تجزیہ وتحلیل کرکے، اپنے ساتھ بے پناہ معلومات لاتا ہے۔ اس معلومات سے اسے اس بات کے بارے میں اطمینان کامل حاصل ہوتا ہے کہ قرآن واحادیث میں دل کی گہرائیوں اور نفس کی قوتوں اور آفاق وانس کے بارے میں جو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہے، ان کی حقیقت کیا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں وہ معلومات کے کچھ اجزاء سے ہی آشنا ہوتا ہے، تاہم معلومات کے یہ اجزاء اس کی طمانیت کے لئے کافی ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ آفاق وانفس کی وسعتوں کا پوری طرح اندازہ لگانا انسان کے بس کی بات نہیں۔

(۹۱) ذکر ایسا نور ہے، جس سے فرد کی ساری شخصیت کی تعمیر وارتقا کا کام ہوتا رہتا ہے۔ جس دن ذکر وفکر کا معمول متاثر ہوگا، یا اس میں کمی واقع ہوگی، یا اپنی جنس سے باہر کے افراد سے رابطے ہوں گے یا ضرورت سے زیادہ گفتگو ہوگی، اس دن طالب کا دل بے قابو ہوگا۔ اور نفسی قوتیں مشتعل ہوں گی۔ اور طالب پر اضطراب، بے تابی، بلکہ اشتعال کی حالت غالب ہوگی۔ اور وہ اپنے متعلقین سے الجھتا رہے گا۔ بلکہ ذکر میں ناغہ کی وجہ سے فرائض کے چھوٹ جانے کا خطرہ بھی درپیش ہوگا۔ اس لئے طالب کے لئے ذکر کے معمولات کو ہر صورت میں جاری رکھنا ناگزیر ہے۔ جس طرح فرد، ساری مصروفیات کے باوجود روزانہ کھانے کے لئے تین بار وقت نکال لیتا ہے، اور اس میں بڑی سی بڑی مصروفیت بھی حائل نہیں ہوتی، اسی طرح ذکر کے لئے دن میں تین چار مرتبہ وقت نکالنا ضروری ہے، اس لئے کہ محبوب کے لئے روح کی بے تابی تھوڑی دیر کے بعد از سرنو پیدا ہونے لگتی ہے اور کچھ دیر کے بعد ذکر کے اثرات معدوم سے ہونے لگتے ہیں، روح کو ازسرنو خوراکِ ذکر کی ضرورت

درپیش ہوتی ہے۔

(۹۲) ہمارے معاشرہ کی زبوں حالی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ افراد سے معاملہ کرتے وقت ایک دوسرے کو دھوکہ دے کر، ان سے مال بٹورنے کا ہمارا مزاج مستحکم ہوگیا ہے، اسے اگر ''قومی مزاج'' کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو، اس مزاج کی تشکیل میں لگ بھگ سو سال لگ گئے ہیں۔ کسی بھی فرد سے کوئی بھی معاملہ کیا جائے تو فرد کو اذیت ہی ملتی ہے۔ یعنی دوسروں کی اذیت کی قیمت پر اپنے مفادات کی تکمیل اور مال کا حصول، یہ ہماری عمومی روش بن گئی ہے۔ ایک دوسرے سے نفع رسانی کی امید رکھنا تو عبث ہوگیا ہے۔

حدیث شریف ہے کہ زمین والوں پر رحم کرو تو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

اس حدیث کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا نہ کروگے تو آسمان والی ہستی سے رحم کی امید نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ ایک حدیث شریف میں واضح فرمایا گیا کہ جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

مزاج کی سختی والی روش اختیار کرکے ہم نے رحمت والی عظیم ہستی کو ناراض کرلیا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہمارے لئے اس کی رحمتوں کا نزول بند ہوگیا ہے۔ اس طرح ہم ایک دوسرے کی اذیت رسانی، دل آزاری، دلشکستگی کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ جب تک ہماری اس ''قومی روش'' میں تبدیلی نہ آئے گی اور معاملات کرتے وقت ایک دوسرے کو نفع پہنچانے کی نیت کارفرما نہ ہوگی، تب تک معاشرہ کی حالت میں کوئی تغیر وتبدیلی پیدا نہیں ہوگی، بلکہ معاشرہ کی زبوں حالی میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

وہ معاشرہ جس میں اجتماعی معاملات میں دھوکہ دہی کا مزاج راسخ ہوگیا ہو، وہ معاشرہ غالب قوموں کا محکوم ہوئے بغیر رہ سکے مشکل ہے۔ ایسی قوم پر اصولوں کے ساتھ زندہ رہنے والی خوگر طاقتور قوموں کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے معاشرے میں کوئی ایسی طاقتور تحریک بھی موجود نہیں جو افراد قوم کو اس خوفناک روش کے اثرات ونتائج سے آگاہ کرے اور اصلاح احوال کے لئے ثقافتی تبدیلی کا عمل شروع کرے اور اس کے لئے معاشرہ سے مثبت تحریک شروع ہو۔

پاکستان کی پوری تاریخ میں اچھے لوگوں کی طرف سے سیاسی تبدیلی اور چہروں کی تبدیلی میں وقت صرف ہوا ہے۔ اس جدوجہد میں یہ دیکھنے کی زحمت ہی نہ ہوئی کہ جس معاشرہ کو بہتر حکومت دینے کی کاوش ہورہی ہے، وہ معاشرہ تو مادیت، مفاد پرستی اور نفسانفسی کی دلدل میں پھنس گیا ہے، اس میں تو خیر کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی مفقود ہوگئی ہے۔ ایسی قوم کی اخلاقی ومعنوی تبدیلی کے لئے ہمہ جہتی تحریک شروع کئے بغیر سیاسی سطح پر ہونے والی تبدیلی بے معنیٰ اور غیر نتیجہ ثابت ہوگی۔ بلکہ اس طرح کے افراد معاشرہ میں فرشتوں کی بھی حکومت آجائے تو وہ افراد کے حالات میں تبدیلی برپا کرنے سے قاصر ہوگی۔ **ان اللہ لایغیر مابقوم حتیٰ یغیرو ما بانفسھم.**

(۹۳) صوفی پر سب سے زیادہ جو فکر طاری ہوتی ہے، وہ آخرت کے حوالے سے ہوتی ہے۔ جو اس کے سارے افکار پر غالب ہوتی ہے، یہ فکر اسے بے تاب کردیتی ہے کہ وہ اپنے رب سے کس صورت میں ملے گا جب کہ اس نے ملاقات کے لئے کوئی تیاری ہی نہیں کی، اس مقصد کے لئے نہ صرف یہ کہ اپنے وقت اور توانائیوں کا قابل ذکر حصہ صرف نہیں کیا، بلکہ غفلت کا آخری حد تک مظاہرہ کیا، زندگی کا بیشتر وقت غفلت کی نیند میں صرف کیا یا نفس اور پیٹ کی نذر کیا، اس کی قدر دانی کا حق تو کیا ادا کیا، اس حق کا ایک معمولی ذرہ بھی ادا نہیں کیا۔

صوفی پر یہ احساس اکثر غالب رہتا ہے، اس احساس کے غلبہ کی وجہ سے وہ

تمنا کرتا ہے کہ کاش کہ وہ دن نہ آتا، یا کاش کہ وہ انسان کی بجائے پرندہ ہوتا، جو جواب دہی اور حساب کتاب سے مستثنیٰ ہے۔

تاہم کافی وقت تک اس حالت کے غلبہ کے معا بعد صوفی پر امید کا پہلو غالب ہونے لگتا ہے اور قرآن کی ان آیتوں کی گونج اس کے باطن میں سنائی دیتی ہے، جن میں بندہ مؤمن کے ساتھ معافی وبخشش کا معاملہ کیا جائے گا۔ **الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن.** (جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کی ظلم (یعنی شرک) سے ملاوٹ نہیں کی، ان کے لئے امن ہے)۔

صوفی اکثر خوف وامید کی درمیانی حالت میں ہی رہتا ہے، لیکن بعض اوقات اس پر خوف کی حالت غالب ہوجاتی ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اس کی فکرمندی اور دل کی حالت ازحد قابل رحم ہوتی ہے۔ اس حالت میں وہ محسوس کرتا ہے کہ شاید اللہ کے بندوں میں بس وہی سب سے زیادہ اللہ کے عتاب کا مستحق ہے۔

صوفی کی تربیت کے لئے کچھ دیر تک اسے اس حالت میں رکھنے کے بعد اس کے دل کو تسلی، حوصلہ اور امید سے سرشار کر دیا جاتا ہے۔ اس حالت کی واپسی پر اس کی جان میں جان آجاتی ہے۔

لیکن صوفی وقتاً فوقتاً ان دونوں کیفیتوں کے درمیان رہتا ہے۔ اس کی ساری زندگی ان دونوں حالتوں کے درمیاں گزر جاتی ہے۔ صوفی ہی کیا، قرآن میں بعض جلیل القدر انبیاء کرام کے ذکر میں ہے۔

انھم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا ورھبا وکانو لنا خاشعین.

(وہ نیکیوں میں سبقت کرتے تھے اور ہمیں خوف وامید کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی اختیار کرتے تھے)۔

اللہ کی شان عظمت کے قریبی مشاہدہ کے بعد انبیاء کرام کی یہ حالت تھی تو صوفی بیچارہ کس قطار وشمار میں ہے۔ مومنوں کے بارے میں قرآن میں ایک جگہ ہے۔

ان الذین ھم من خشیۃ ربھم مشفقون والذین ھم بآیٰاۃ ربھم یومنون، والذین ھم بربھم لایشرکون والذین یوتون ما اتو وقلوبھم وجلۃ انھم الا ربھم راجعون.

(المومنون ۶۵۷) (اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل اس سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضورﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ، کیا یہ وہ لوگ ہیں، جو زنا کاری کرتے ہیں اور چوری کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، نہیں، یہ وہ نیک بندے ہیں، جو نیکیاں کرتے ہیں اور پھر اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

(۹۴) بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ سارے مجاہدوں کا حاصل خشیت کے مزاج کے ملکہ کو راسخ کرنا ہے، تاکہ حقوق اللہ وحقوق العباد میں تجاوز نہ ہو، اور نفس کی قوت خشیت کے زیر اثر مغلوب رہے۔ یہ اہم نکتہ ہے، تاہم خشیت کے ساتھ امید کا میلان بھی موجود ہونا ضروری ہے، دوسری صورت میں فرد پر مایوسی کی کیفیت طاری ہوسکتی ہے۔

(۹۵) ایک حدیث شریف ہے کہ میری امت کے علمائے کرام (علمائے ربانیین) کی مثال بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہے۔

ختم نبوت کے طفیل علمائے ربانیین کو یہ مقام ملا ہے۔ ظاہر ہے یہ بات انہی علماء پر صادق آسکتی ہے، جو خشیت وتقویٰ کے صاحب ہوں، جو صاحب عزیمت

ہوں، جو غیر معمولی مجاہدوں کے ذریعہ نفسی قوتوں کو پامال کر چکے ہیں۔

(۹۶) ذکر کی مثال انسانی جسم میں موجود اس طاقتور خون کی طرح ہے، جو پورے انسانی جسم کو متحرک رکھتا ہے اور خون کی غیر معمولی کمی انسانی شخصیت کو کمزور کر کے، اسے مضمحل اور غیر متحرک کر دیتی ہے۔

انسانی شخصیت کو فعال ومتحرک کرنے کے سلسلہ میں ذکر کے اس فیصلہ کن کردار کے باوجود افسوس کی بات یہ ہے کہ اداروں، جماعتوں، تنظیموں اور درسگاہوں سے وابستہ افراد اور بالعموم افراد معاشرہ ذکر کی طرف آنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔

جب کہ ذکر سے غفلت ودوری کے نتائج، ادارے جماعتیں، گروہ اور خاندان ٹوٹ پھوٹ، تصادم، بے یقینی، حاسدانہ ورقیبانہ مناظر، ایک دوسرے کے وجود کی عدم برداشت، خود اعتمادی کے شدید بحران، غیر معمولی ذہنی دباؤ، اور نفسیاتی بگاڑ وغیرہ کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ اور اس کے نتائج بھگت رہے ہیں۔ جماعتوں وخاندانوں کی تباہی تو گوارا ہے، لیکن اللہ کے ذکر کے سائے میں پناہ لینے کی راہ قبول نہیں ہے۔

معاشرہ جب فاسد عادتوں کی زنجیر اور ذکر سے غفلت کے مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اس کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنے مرض کے علاج کے لئے دوا کھانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ افراد معاشرہ کی اس حالت زار پر خون کے آنسو ہی بہائے جا سکتے ہیں۔

سب سے زیادہ قابل رحم حالت اداروں اور ان افراد کی ہے، جو اسلام کے علمبردار ہیں۔ اور دینی اداروں سے وابستہ ہیں۔ وہ باہم ایک دوسرے سے لڑلڑ کر نڈھال ہو چکے ہیں، لیکن اللہ کے ذکر کے خصوصی اہتمام کی بات چونکہ مزاج سے عدم مطابقت رکھتی ہے اور نفس اس کے لئے آمادہ نہیں، اس لئے ذکر کی بات سنی ان سنی کر دی جاتی ہے۔ بزرگوں کے قائم کردہ اداروں وتنظیموں کی تباہی گوارا ہے، لیکن ذکر کے نور میں داخل ہو کر، اللہ کی رحمت کا حصہ بننے کی روش قابل قبول نہیں۔

(۹۷) ذکر میں وہ توانائی موجود ہے کہ کمزور سے کمزور فرد کو اٹھا کر کھڑا کر دیتا ہے، اور اس کی توانائیوں کی بحالی کا ذریعہ بنتا ہے۔ نیز ذکر تباہ سے تباہ اداروں وگروہوں میں۔ وہ جان پیدا کر دیتا ہے کہ طاقتور ادارے قائم اور مستحکم ہوجاتے ہیں۔ معاشرہ کے باصلاحیت افراد، ذکر کی طرف نہ آنے کی وجہ سے اول وہ خود قابل رحم حالت تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہر طرح کی ذہنی، نفسیاتی ونفسی بیماریوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ دوم یہ کہ معاشرے کو ان کی ذہنی وعلمی صلاحیتوں سے جو صحتمند فائدہ ہونا چاہئے تھا، معاشرہ ان کے اس فائدہ سے محروم رہ جاتا ہے۔

(۹۸) معاشرے میں افراتفری کی جو صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ صاحب علم ہو یا جاہل، مالدار ہو، یا غریب، افسر ہو یا کلارک، نوجوان ہو یا بوڑھا، عام فرد ہو یا متوسط طبقہ کا فرد، ہر فرد مسائل ومشکلات کی دلدل میں پھنس چکا ہے، اور معاشرہ کو اپنی ذات سے فائدہ پہنچانے کی بجائے اس کے لئے زحمت بلکہ عذاب کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ ایک دوسرے کی دل آزاری کی روش تو تقریبا ہر فرد کے مزاج کا حصہ بن گئی ہے۔ دوسروں سے فریب اور جعل سازی کے ذریعہ پیسہ کمانا، یہ عام روش ہوگئی ہے۔ پیر ہو یا فقیر، عالم ہو یا دانشور، کوئی طبقہ کردار کے اس بحران کا شکار ہونے سے محفوظ نہیں، یہ ساری صورتحال حقیقی معرفت، سچی معرفت، اپنے رب کی معرفت اور اپنے فطری تقاضوں سے بغاوت ہی کا نتیجہ ہے۔ اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں، باہر کی قوتیں نہیں۔

اس بحران سے نکلنے میں بھی دوسرے کوئی کردار ادا نہیں کر سکتے، جب

تک ہم خود اپنی اس حالت کو بدلنے کے لئے فکرمند نہ ہوں۔

ہمیں اپنی اس حالت زار پر رحم کھا کر اور نہیں تو اپنی اولاد اور اپنی نسلوں کو تباہی سے بچانے کی خاطر اپنی اس حالت میں تبدیلی کا احساس ہونا چاہئے۔ ہمیں حالات کی تبدیلی کے سلسلہ میں اپنے اندر اضطراب پیدا کرنا ہوگا، اور فطرت کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے اپنے رب کی معرفت کی راہ اختیار کرنا ہوگی۔

(۹۹) ہمارے معاشی مسائل ہوں، یا سیاسی عدم استحکام کے مسائل، افراد کے افراد سے ٹکراؤ کے مسائل ہوں یا جماعتوں وگروہوں کے باہمی تصادم کی مشکلات، یہ ساری مشکلات ومسائل ہوس زر، ہوس اقتدار، حاسدانہ ورقیبانہ جذبات اور ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے احساسات ہی کا نتیجہ ہیں۔

اگر نظام تعلیم وتربیت اور میڈیا کے ذریعہ ان باطنی مفاسد کی اصلاح کے خطوط متعین ہوں اور افراد کی نفسیات میں موجود فساد کی بنیاد کی اصلاح ہو تو ان سارے مسائل کے حل کی بہتر صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

اس سے دولت پر سانپ بننے کی روش ختم ہوگی۔ انسانیت کا درد پیدا ہوگا۔ دوسروں کے لئے ایثار کے جذبات پیدا ہوں گے، کمزوروں کو اوپر اٹھانے کے احساسات پیدا ہوں گے۔ غریبوں کی مدد ایمان کا حصہ بن جائے گی، تصادم کے بجائے محبت ورواداری، وظیفہ حیات بن جائے گا، اور ساری نفسانی بیماریاں ختم ہوں گی۔

اللہ کی معرفت کی راہ ایسی ہے، جو فرد وافراد کو خود شناس، حساس وفرض شناس اور درد انسانیت سے سرشار کرنے والی راہ ہے۔

مسائل ومشکلات نے افرادِ امت کو اس مقام پر لاکھڑا کیا ہے، جہاں بحران سے نکلنے کے سارے راستے بند ہیں، اجتماعی طور پر اللہ کی محبت ومعرفت کی راہ اختیار کئے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہ رہا ہے۔

کیا ہمارے مؤثر طبقات، جماعتوں واداروں سے وابستہ افراد، قوم پر کسی بھی حیثیت سے اثر انداز ہونے والے افراد ہماری اس صدا پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہیں؟

ہمارا کام صدا دیتے رہنا ہے۔ یہ ہماری منصبی ذمہ داری ہے۔ اس صدا پر توجہ دینا نہ دینا، یہ ہماری ذمہ داریوں میں شامل نہیں۔ ہم تو درد دل سے پکار ہی سکتے ہیں اور آرزو اور دعا ہی کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کے ہم مکلّف نہیں۔

(۱۰۰) کثرت ذکر، غلبہ ذکر اور استغراق ذکر ایسی نعمت عظمیٰ ہے، جس پر دنیا بھر کی نعمتیں فدا کی جاسکتی ہیں، اس لئے کہ اس سے انسان کے سارے جذبات حسن کی تسکین وتشفی ہوتی ہے۔ اور فرد خوشی ومسرت کے لازوال احساسات سے سرشار رہتا ہے۔

اور اس پر انسانی شخصیت، کائنات کی حقیقت اور آخرت کی زندگی کے حوالے سے ایسے حقائق منکشف ہوتے ہیں، جو قرآن کا حاصل ہیں۔

ذکر، فرد پر رحم نوازی، شفقت اور انسان نوازی کی صفات کے صدور کا ذریعہ بنتا ہے۔ ذکر، فرد کی شخصیت میں ٹھہراؤ اور سکینت کی فضا پیدا کر دیتا ہے۔

ذکر، مادی مستقبل کے اعتبار سے فرد کی ساری فکرمندی کو کالعدم کر دیتا ہے اور فرد کو اللہ کی مدد ونصرت کے ایسے قانون میں لاکھڑا کر دیتا ہے، جہاں اسباب اس کے محتاج بن جاتے ہیں، نہ کہ فرد اسباب کا محتاج بنتا ہے (ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا) ذکر، فرد پر فقر کے اجزاء کو غالب کر دیتا ہے، جہاں درویشانہ زندگی محبوب تر بن جاتی ہے۔

ذکر، انسانی شخصیت کے سارے ارمانوں وحسرتوں کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔

ذکر، فرد کو دوسرے افراد کے لئے باعث رحمت بنا دیتا ہے۔ ذکر کے سانچہ سے جو شخصیت وجود میں آتی ہے، وہ دوسروں کے قصوروں کو یک طرفہ طور پر معاف کر دیتی ہے۔ذکر، اللہ کی شان عظمت کے انعکاس کا ذریعہ ہے۔

ذکر، وقت، علم اور مال میں برکت، نظر اور گفتگو میں تاثیر پذیری کا ذریعہ بنتا ہے۔

ذکر، اپنے ساتھ فراست وحکمت لاتا ہے، جس سے زندگی کے ہر موڑ پر پیدا ہونے والی مشکلات اور بحرانوں سے بچاؤ کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ذکر انسانی شخصیت کے مدوجزر اور ان کی گہرائیوں کے فہم کا ذریعہ ہے۔

ذکر کے یہ فوائد وثمرات ایسے ہیں، جو افراد کو فدا۔ یانہ طور پر ذکر کی دنیا میں داخل ہوکر، ففروا الی اللہ (اللہ کی طرف دوڑو) کے منظر کا ذریعہ بننا چاہئے۔

جس ذکر کے ثمرات بیان کئے گئے، یہ وہ ذکر ہے، جو راہ معرفت اور راہ محبت میں مستقل مزاجی سے چلتے رہنے والا ذکر ہے، اگرچہ کثرت سے ہونے والا ہر ذکر فوائد سے خالی نہیں، لیکن راہ محبت کا سفر جو عالم ربانی کی صحبت کے زیر اثر ہوتا ہے، اس سفر میں ہونے والا ذکر نفسی قوتوں کو آتش عشق میں جلانے اور شخصیت میں موجود زیروبم کے خاتمہ اور اپنی انانیت کی پامالی اور اللہ کی شان عظمت کے غلبہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

ذکر کے حامل فرد کے تمنا ہوتی ہے کہ کاش کہ لوگ اِدھر اُدھر بھٹکتے پھرتے رہنے اور مادی علوم ومادی فنون میں توانائیاں خرچ کرنے کی بجائے اندر میں ڈوب کر، ذکر کے انوار سے بہرہ وری میں وقت صرف کریں، تاکہ افراد اس حدیث شریف کا مظہر ہوں کہ ''جو اللہ کا ہوجاتا ہے، اللہ اس کا ہوجاتا ہے، جس کا اللہ ہوجائے، دنیا میں اس سے بڑھکر غنی اور سعادتوں سے بہرہ ور اور کون ہوسکتا ہے۔

(۱۰۱) ذکر میں استغراق کے بغیر نفس کے نئے نئے مکر وفریب کے حملوں سے بچنا اور باطنی رزائل کی اصلاح کا ہونا دشوار تر کام ہے۔

(۱۰۲) بزرگی کی مسند پر فائز ہونے کے بعد اگر خوداحتسابی کا عمل جاری نہ رہ سکے اور دنیاوی تفکرات سے نجات حاصل نہ ہو سکے تو یہ بزرگی سراسر خطرہ ہی خطرہ ہے۔

(۱۰۳) ایک عرصہ تک اپنے آپ کو کسی حقیقی اہل اللہ کے سامنے پامال کئے بغیر نفس کے مکر وفریب کی وسیع دنیا سے آشنائی ہو سکے اور ان سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو سکے، دشوار تر عمل ہے۔

(۱۰۴) نفس کی مثال جہنم کی آگ کی سی ہے، جو ھل من مزید کہتی رہتی ہے۔ نفس، خواہشات کے نئے نئے طوفانوں سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔خواہشات کی اس نہ ختم ہونے والی آگ کو اہل اللہ کی صحبت اور ذکر کثیر ہی بجھا سکتا ہے۔ دوسری صورتیں مسدود ہیں۔قرآن وحدیث کی تصریحات کے ساتھ تجربات ومشاہدات بھی اس کے شاہد ہیں۔

(۱۰۵) اللہ کے ذکر کی حلاوت کے بغیر دنیا کی ہڈیوں پر چھینا جھپٹی سے بچنا اور بڑے پن اور خودنمائی جیسے بتوں کی پرستش سے اجتناب کرنا، لگ بھگ ناممکنات میں سے ہے۔

(۱۰۶) دنیا کی، اتنی فکر کر، جتنا دنیا میں رہنا ہے۔ آخرت کی اتنی فکر کر، جتنا آخرت میں رہنا ہے۔

(۱۰۷) مرید بنانے کی فکر کا لاحق ہونا اور اس کے لئے فکر مند ہونا اور اس مقصد کی راہ میں حائل مشکلات پر کڑھتے رہنا اور پیر صاحب بننے کے لئے تشہیری ذرائع اختیار کرنا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ فقیری کی روپ میں۔ پیر صاحب کو

اس کے نفس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔

(۱۰۸) مالداروں کی صحبت، چاہے کتنی اخلاص سے اختیار کی جائے، وہ مال کے حوالے سے فرد کے دل میں تہلکہ برپا کئے بغیر نہیں رہتی۔

(۱۰۹) دوسروں کی طرف سے اپنی تعریف پر خاموش تماشائی بننا، ایک طرح سے رضامندی یا نیم رضامندی کی علامت ہے، بار بار اپنی تعریف سنتے رہنے سے خودثنائی کی نفسیات پختہ ہونے لگتی ہے، الا یہ کہ فرد، دل میں گڑ گڑا کر استغفار کرتا رہے۔اور اللہ کے سامنے آہ وزاری اختیار کرتا رہے دوسری صورت میں انسانی نفسیات کی چیر پھاڑ سے یہی کچھ معلوم ہوتا ہے اور حدیث شریف میں بھی اس کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔

(۱۱۰) اپنی شخصیت کے ساتھ قطب عالم یا رہبر شریعت اور پیر طریقت جیسے القاب لکھنا یا لکھوانا، یہ خود ثنائی میں شامل ہے۔ جس کی احادیث میں سخت ممانعت فرمائی گئی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ اس طرح کی شخصیتوں کو اکثر ان کے نفس کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

(۱۱۱) اپنی اصلاح کی قیمت پر دوسروں کی اصلاح کی فکرمندی گھاٹے کا سودا ہے۔فرد کی کوششوں سے دوسروں کی کتنی ہی اصلاح ہوجائے، اگر اپنی اصلاح متاثر ہو اور باطنی امراض گھیرے ہوئے ہوں تو فرد سراپا خطرہ میں ہے۔

(۱۱۲) نگاہ کی یہ خصوصیت ہے کہ جب وہ دوسروں پر مرتکز ہوتی ہے تو اپنی شخصیت، فرد کی نظر سے اوجھل ہوجاتی ہے۔مسلسل خود احتسابی سے کام لیتے رہنے سے ہی اپنی خفیف سے خفیف باطنی بیماریاں آشکار ہوتی ہیں۔

(۱۱۳) جب اللہ کی مخلوق کو پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے روٹی دستیاب نہ ہو، ایسی صورت میں بڑے بڑے بنگلوں میں رہنا اور شاندار گاڑیاں استعمال کرنا سنگ دلی ہے، سنگ دلی۔

(۱۱۴) خدا کی قسم،تم میں سے کوئی شخص (کامل) مومن ہونہیں سکتا کہ جو کچھ اپنے لئے چاہئے، وہی کچھ اپنے دوسرے بھائی کے لئے نہ چاہے۔ (حدیث رسول)

یہ فرمانِ رسول آئینہ ہے، جس میں ہمیں اپنی تصویر دیکھنی چاہے۔

(۱۱۵) دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنا اور ان کے لئے تڑپنا، یہ بندہ مؤمن کی خصوصیات میں شامل ہے۔

(۱۱۶) جب تک ذکر میں حالت استغراق پیدا نہ ہو، اس وقت تک طالب کو مسلسل چلتے رہنا چاہئے۔ ذکر میں حالت استغراق فرد کو دنیا ما فیہا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

ذکر میں حالت استغراق کی ظاہری علامت سیرت وکردار میں پاکیزگی اور اخلاق حسنہ اور ہر سنت پر عمل پیرا ہونے کی استعداد ہے۔ باطنی علامت ذکر اور اس سے متعلقہ چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے طبعی مناسبت کا نہ ہونا ہے۔

(۱۱۷) سلامتی کی راہ اصولوں کے ساتھ چلتے رہنے سے ہی وابستہ ہے۔ مالداروں سے دور رہنے کا اصول، بڑے بننے کی آرزوؤں سے بچنے کا اصول، خود نمائی اور شہرت کے حصول سے دور رہنے کا اصول، اپنی بات اور رائے کو دوسروں پر مسلط نہ کرنے کا اصول، اپنے معتقدوں پر رعب نہ جمانے کا اصول، اپنی شخصیت کو بزرگی کے تقدس کے روپ میں پیش نہ کرنے کا اصول وغیرہ اس طرح کے بنیادی اصولوں کی جو بھی خلاف ورزی کرے گا، وہ سزا سے بچ سکے، مشکل ہے۔

(۱۱۸) یہ سوال کہ ذکر نے نفسی قوتوں کو مفتوح کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا ہے؟ اس کی علامتیں کیا ہیں؟

اس کی علامتیں آداب بندگی کی ادائیگی میں آسانی کا ہونا، اللہ کی مخلوق سے

محبت کی اداؤں کا ہونا، دوسروں سے عفوو درگذر کا معاملہ ہونا، مادی دنیا کے مستقبل کے حوالے سے طبیعت میں سرمہری کا پیدا ہونا اور مستحکم ہونا، حاصل ہونے والے مال کو اپنی ضروریات کے علاوہ اللہ کی بے کس مخلوق اور خدمت دین کے کاموں میں خرچ کرنے کی استعداد کا ہونا، انسانوں کی سعادت دارین کا حریص ہونا، زندگی کے سارے معاملات میں مزاج میں ٹھہراؤ کا پیدا ہونا وغیرہ شامل ہے۔

جب تک شخصیت میں یہ خصوصیات پیدا نہ ہوں گی، یہی سمجھا جائے گا کہ شخصیت نفسی قوتوں کو مفتوح کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی ہے اور نفسی قوتوں کے طاقتور اثرات موجود ہیں۔ ذکر میں فنائیت اور مسلسل مجاہدوں کے بغیر نفسی قوتوں کی پامالی ممکن نہیں۔

(۱۱۹) پاکیزہ اخلاقیات سے آراستہ ہونا اور بہترین اخلاقی زندگی ہی دراصل بندہ مؤمن کو اللہ کی نظر میں محبوب بنا دیتی ہے اور اس کے اعمال اور عبادات کی قدر و قیمت اور وزن کو بڑھا دیتی ہے۔ پاکیزہ اخلاقیات سے مطلب اللہ کے بندوں کے لئے شفیق ہونا ان کے لئے اپنی رحمت کے پر کھولتے رہنا، بڑے سے بڑے ناموافق حالات میں بھی غصہ، اشتعال اور غیر متوازن روئے سے بچکر کریمانہ سلوک اختیار کرنا، اپنی شخصیت کو اپنے اہل وعیال اپنے متعلقین، ساتھیوں اور ملنے جلنے والوں کے لئے باعث رحمت بناتے رہنا وغیرہ ہے۔

اخلاق کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں، تزکیہ جسے پیغمبر علیہ السلام کے مقاصد میں بیان کیا گیا ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ فرد کی زندگی پاکیزگی سے سرشار ہوجائے۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ جب آئینہ دیکھتے تھے تو دعا فرماتے تھے کہ یا اللہ جس طرح تو نے مجھے شکل وصورت کے اعتبار سے ظاہری حسن عطا فرمایا ہے، اسی طرح میرے اخلاق کو بھی حسین بنا دے۔

حضرت ابو درداؓ مشہور صحابی ہیں، ان کے بارے میں بخاری شریف میں ہے کہ وہ ایک بار ساری رات یہ دعا مانگتے رہے،۔ احسنت خلقی فحسن خلقی یااللہ جس طرح تو نے ظاہری جسمانی بناوٹ کے اعتبار حسین بنایا ہے، اسی طرح میرے اخلاق میں بھی حسن پیدا فرما، (میرے اخلاق کو بھی حسین بنادے)۔

صبح کو ان کی اہلیہ نے ان سے پوچھا کہ آپ ساری رات ایک ہی دعا کرتے رہے تو آپ نے فرمایا کہ مسلمان اچھے اخلاق کی وجہ سے ہی جنت میں داخلہ کا مستحق ہوتا ہے اور بُرے اخلاق کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اچھے اخلاق کی وجہ سے بندہ کی مغفرت ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ دوسروں کی دل جوئی کی وجہ سے وہ غائبانہ طور پر اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور جس کے لئے غائبانہ دعا ہوتی ہے جو قبول ہوتی ہے۔

اللہ کے کثرت ذکر کی سب سے بڑی جو خصوصیت ہے وہ یہی ہے کہ نفسی رزائل دور ہوکر حسن اخلاق وحسن کردار، فرد کے مزاج کا حصہ بن جاتا ہے۔ ذکر میں غیر معمولی مجاہدے اس وقت تک جاری رہتے ہیں جب تک فرد پاکیزہ اخلاقی زندگی سے مزین نہ ہوجائے اور وہ سیرت وکردار میں دوسروں کے لئے نمونہ نہ بن جائے۔

(۱۲۰) پاکیزہ اخلاقیات میں مزید جن چیزوں کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ ان میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں۔

لوگوں کے قصوروں کو صاف کرنا، جھگڑا کے لئے اپنے چھوٹے موٹے حقوق سے دستبردار ہونا، مزاج کے خلاف باتیں برداشت کرنا، لوگوں کے عذر قبول کرنا، مشکلات کے وقت دوسروں کے کام آنا، عزیزوں اور ملنے جلنے والوں کی مالی زبوں حالی کے وقت اپنی خوشحال مادی زندگی اور آسائش اور سہولتوں کی قربانی دے کر بھی

ان کی مالی طور پر معاونت کرنا وغیرہ۔

(۱۲۱) نفس کی مثال ظلمات کی سی ہے۔ نفس اپنی یہ ظلمات اپنی ساری شخصیت، دل، روح، ذہن، نفسیات اور اعصاب کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے، جس سے انسانی شخصیت سے جو خیالات واعمال ظاہر ہوتے ہیں، وہ سراسر سیاہ ہوتے ہیں۔

کثرت ذکر کی مثال نور کی سی ہے، جو انسانی شخصیت کو نور سے سرشار کر کے، پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ اعمال کے صدور کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ذکر نہ صرف روشنی ہے، بلکہ وہ اعمال صالحہ کی متحرک قوت بھی ہے، جو فرد کو خیر، حق وصداقت اور نیکی پر گامزن رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

نفس، چونکہ سراسر اندھیری ہے، اس لئے غلبہ نفس کے ساتھ چلنے والا فرد طرح طرح کے حادثوں کا شکار رہتا ہے، رات کی گھٹاٹوپ اندھیری میں چلنے والے فرد کے ساتھ جو حالت ہوتی ہے کہ نظر نہ آنے والی چیزوں سے وہ ٹکراتا رہتا ہے اور لہولہا ہوجاتا ہے، یہی صورت ذکر کے نور سے محروم فرد کے نفس کی ہوتی ہے کہ وہ ظلمات میں ہی سفر کرتا رہتا ہے۔ وہ اندر کی روشنی سے بالکل محروم ہوتا ہے۔ اس وقت انسانیت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ نفس کی ظلمات کے ساتھ زندگی کا سفر طے کررہی ہے۔ اس کا نتیجہ قدم قدم پر تصادم وٹکراؤ کی صورت میں ہم دیکھ رہے ہیں۔

ذکر کے نور کی حالت میں رہنے والے افراد کی بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ جس دن ان کا مطلوبہ مقدار میں ذکر نہیں ہوتا، اس دن نفس کی ظلمات اسے گھیرے رہتی ہے۔ اس ظلمات سے اس سے حکمت وفراست اور صحیح سمت میں سوچنے کی صلاحیت سلب ہوجاتی ہے۔ جب ذکر کرنے والے فرد کی یہ حالت ہوتی ہے تو جو ذکر کے نور سے بالکل محروم ہوتے ہیں، وہ ظلمات نفس کے زیر اثر انسانیت اور خیر سے جتنا بھی بے بہرہ ہوں اور داخلی دشمن کے غلبہ کی وجہ سے انسانیت کے لئے جتنے بھی ہلاکت خیز ثابت ہوں، وہ کم ہے۔

ذکر کے نور سے بہرہ ور ہو کر نفس کی تاریکیوں اور اس کے اندھیروں سے بچنے کی روزانہ کاوشوں کا ہونا ناگزیر ہے۔ دوسری صورت میں فرد وافراد، ظلمات نفس کے غلبہ کی وجہ سے انسانیت کو نئے نئے حادثوں سے دوچار کرتے رہیں گے۔

(۱۲۲) دین کے بہت سارے حقائق ایسے ہیں، جن تک رسائی علم وعقل کی بجائے ذکر کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ مثلاً خشیت کی حقیقت، تقویٰ کی حقیقت، معرفت کی حقیقت، محبوب حقیقی سے محبت کی حقیقت، دنیا کی بے ثباتی کی حقیقت، آخرت کے استحضار کی حقیقت، حکمت کی حقیقت وغیرہ یہ سارے حقائق ایسے ہیں، جو بندہ پر بقدر ذکر ہی منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ ذکر کی مقدار جس قدر بڑھتی جائی گی، اسی قدر ان حقائق تک رسائی میں آسانی ہوگی، اور فرد کے لئے علم الیقین سے حق الیقین تک پہنچنے کی راہ ہموار ہوگی۔ عین الیقین کی سعادت تو اسے آخرت میں ہی حاصل ہوگی۔ لیکن اس دنیا میں بھی عین الیقین کے کچھ نہ کچھ اجزاء ضرور حاصل ہو کر رہتے ہیں۔

(۱۲۳) اس وقت ملک کی بڑی بڑی درگاہوں میں عام طور پر مذہب وتصوف کی جس طرح نمائندگی ہورہی ہے، اس میں سرمایہ دارانہ ومالدارانہ مظاہر عام ہیں، اس چیز نے جدید پڑھی لکھی آبادی کے اہل مذہب واہل تصوف پر اعتماد واعتبار کو مجروح کر دیا ہے اور دکھ کی بات یہ ہے کہ دنیا کے مال ومتاع سے بہتر طور پر متمتع ہونے کے لئے ماضی کے بزرگوں کے حالات زندگی سے واقعات کو کنگھال کنگھال کر پیش کیا جارہا ہے کہ جب اتنے بڑے بزرگ اتنی بڑی مقدار میں مال رکھ سکتے تھے تو ہم ایسا کیوں نہیں کرسکتے، اس سلسلہ میں اس دور کے ایک عالم ربانی نے

بہت عمدہ نکتہ بیان فرمایا ہے۔

''خواص، علماء اور دیندار طبقہ کا حال یہ ہورہا ہے کہ معیار زندگی کو بلند کرنے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے شوق میں حصول مال کے لئے تاویلات کے دروازے کھل گئے ہیں۔ یہ ذرا خیال نہیں آتا کہ تاویلات سے بندوں کو تو مطمئن کیا جا سکتا ہے، لیکن وہ ذات جو علیم وخبیر ہے، اس سے دل کا چور نہیں چھپایا جا سکتا۔ جب علماء وخواص کا یہ حال ہوگا، تو عامتہ المسلمین کا کیا حال ہوگا، جو ان خواص کو اپنے لئے اسوہ اور نمونہ سمجھتے ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ حضورﷺ، صحابہ کرام اور بزرگان دین کے دلوں سے دنیا کی محبت وطمع نکل چکی تھی۔ اس لئے ان کی زندگی زہد، فقر، استغنا اور دنیا وسامان دنیا سے بے نیازی سے عبارت تھی۔ کچھ بزرگوں کی مثالیں استثنا کی ہیں، لیکن ایسے بزرگوں کے پاس جو دولت تھی، وہ بظاہر دولت تھی، لیکن عملا ان کی دلوں سے دنیا کی محبت نکل چکی تھی۔

اس وقت دنیا اور معیار زندگی جس خوبصورتی سے ہمارے سامنے آئی ہے، وہ پوری انسانی تاریخ کا سب سے بڑا مسحور کن فتنہ ہے۔ اس فتنہ سے بچنے کی واحد صورت اللہ کا کثرت کے ساتھ ذکر اور اصولوں کی سختی سے پابندی ہے، ان اصولوں میں مالداروں سے دوستانہ مراسم نہ رکھنے کا اہم اصول شامل ہے۔ایسے مرید جو مالدار ہیں، ان سے بھی خصوصی روابط رکھنے سے احتیاط ضروری ہے۔

کثرت ذکر اور اصولوں کی مستقل پابندی سے جب دنیا سے استغنا کا مزاج راسخ ہوجائے گا تو اس وقت دنیا ذلیل ہو کر بھی سامنے آئے گی تو بندہ مؤمن زائد ازحد ضرورت اسے قبول نہ کرے گا، اس لئے کہ دنیا کا یہی نقصان کوئی کم نقصان نہیں ہے کہ اس سے فرد کی توجہ بٹتی ہے، جب کہ محبوب کا رازدان شخص اپنی توجہ کو ایک ہی مرکزی نکتہ پر رکھنا چاہتا ہے۔

(۱۲۴) ہمارے لئے ایک بڑی تشویشناک بات (جو اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے) وہ یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں اور سول وفوجی بیورو کریسی کے زیر سایہ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ اسلام ونظریہ پاکستان کے خلاف اور لبرلزم، سیکولرزم، اور مادر پدر آزادی کی باقائدہ مہم شروع کردی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں روزانہ کروڑہا افراد کے ذہن بھرے جارہے ہیں، اور اس ضمن میں آئے دن ایک نیا شوشہ چھوڑا جاتا ہے۔ مثلا قائداعظم سیکولرزم کے حامی تھے، ان کا اسلام اور اسلامی نظریہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

پروپیگنڈہ کے ذریعہ ایسی صورتحال پیدا کردی گئی ہے کہ ملا، مولوی اور ہر ڈاڑھی رکھنے والے کو دہشت گرد کی حیثیت سے پیش کیا جانے لگا ہے۔

جب ایک ایسے ملک میں یہ صورتحال پیدا ہوجائے، جو اسلام کے نام پر بنا ہے، جس کے لئے لاکھوں افراد نے جان ومال کی قربانیاں دی ہوں، اس ملک کے لئے اس سے بڑھکر تشویش کی کوئی بات نہیں ہوسکتی۔

ہمارے ہاں بدعملی، بے عملی اور انفرادی واجتماعی بُرائیاں تو موجود رہی ہیں، لیکن ریاست کے اجتماعی اداروں کی طرف سے اسلامی نظریہ سے اس طرح کا بڑے پیمانہ پر نظریاتی انحراف شاید پہلی بار ہورہا ہے، یہ انحراف ہی نہیں، بلکہ اسلام سے بغاوت کے مترادف ہے۔

اور دکھ کی بات یہ ہے کہ مؤثر طبقات کی طرف سے اسلامی نظریے کے خلاف اس بغاوت کے خلاف کوئی آواز بھی بلند نہیں ہورہی ہے، جو نیم رضامندی یا بے بسی کی علامت ہے۔

ریاستی اداروں کے ذمہ داروں کی طرف سے میڈیا کے ذریعہ اسلام، اسلامی

اقدار، اور اسلامی شعائر کے خلاف اس مہم کے نتیجہ میں ہمیں قدرت کی طرف سے جتنی بھی سزا ملے، وہ کم ہے، اس لئے کہ بے عملی کے مقابلہ میں ذہنی اور نظریاتی بغاوت کی روش بہت زیادہ سنگین ہوتی ہے۔

کیا ہمارے ملک میں حکمرانوں، سول وفوجی بیوروکریسی اور میڈیا کے ذمہ داروں میں ایسے حساس افراد بالکل موجود نہیں، جو اسلام واسلامی نظریہ کے خلاف شروع کردہ اس مہم کے خلاف مؤثر کردار ادا کریں۔

(۱۲۵) مغربی فلاسفروں ودانشوروں اور ان کے زیر اثر ریاست کے ذمہ داروں نے اپنے جملہ اداروں اور علوم وفنون سے خدا کے تصور کو نکال کر، اہل مغرب کو دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے اور زندگی کے مشکل مسائل سے نمٹنے کے سلسلہ میں بے کسی، بے بسی اور بے گانگی سے دوچار کرکے، انہیں قابل رحم حالت تک پہنچا دیا ہے۔ اگرچہ اہل مغرب کے روزی کے بنیادی مسائل بڑی حد تک حل ہوچکے ہیں، لیکن وجدانی، روحانی، نفسیاتی اور ذہنی طمانیت کے اعتبار اہل مغرب انسانیت کے لئے عبرت وموعظت کا ذریعہ بن چکے ہیں کہ خاندانی نظام تباہ ہے۔ رحمت وشفقت کے جذبات کی جگہ حیوانی جذبات غالب ہیں، جنسیت کا بھوت سوار ہے۔ اس وجدانی اور روحانی خلا (جو خدا کے عقیدہ کو اجتماعی زندگی سے نکال دینے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے) کو پُر کرنے کے لئے یوگا اور مادی نوعیت کے مراقبوں کی مشقوں کا سہارا لیا جانے لگا ہے۔ اور مغرب کی بعض بڑی بڑی کمپنیوں اور بڑے بڑے اداروں میں مادی نوعیت کے اجتماعی مراقبوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ ان مراقبوں سے ذہنی دباؤ میں کسی حد تک کمی واقع ہوئی ہے اور قوت کارکردگی میں بھی اضافہ ہوا ہے، لیکن مادی نوعیت کے یہ مراقبے افراد کو عالم اسفل سے اوپر اٹھا سکیں اور جنسیت زدگی کے بڑھتے ہوئے ہیذان سے بچا سکیں، ممکن نہیں۔ فرد اور افراد کو حیوانیت سے بلند کرنے کی واحد صورت تو عقیدہ توحید ہی ہے، اس کے علاوہ دوسرے سارے راستے مسدود ہیں۔ اس سلسلہ میں انسانیت جتنے بھی تجربے کرلے، وہ سارے تجربے انسانیت کو باطنی، روحانی اور وجدانی طور پر ایسے صدمات سے دوچار کردیں گے کہ قیامت سے پہلے قیامت کا منظر غالب ہوگا۔

اس لئے ہماری نظر میں اہل مغرب اور خود پوری انسانیت کی نجات وبھلائی اس بات سے وابستہ ہے کہ انسان کی ساری تاریخ میں انبیائے کرام جس عقیدہ توحید پر زور دیتے رہے ہیں اور اپنے اجتماعی نظام کو اس عقیدہ کی بنیاد پر متشکل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، وہ راہ اختیار کی جائے اور عقیدہ توحید کو سارے علوم وفنون کی بنیاد میں شامل کیا جائے کہ اس سے ساری کائنات کی خالق ہستی سے تعلق استوار ہوگا اور اشیائے کائنات، جو خود اس کی حمد وثنا میں مصروف ہے، اس سے ہمہ آہنگی بھی پیدا ہوجائے گی، ساتھ ساتھ دل، روح، ذہن اور نفسیات کو خالق کائنات کے ذکر کے انوار سے فیضیاب کرکے، ان کی تشفی وتسکین کی صورت بھی پیدا ہوجائے گی۔

اس کے علاوہ مادی چیزوں کے ذریعہ سکون، وسکینت اور مادی مراقبوں سے حیوانیت سے بلند ہونے کی تدبیریں سب ناکامی سے دوچار ہوں گی۔

اہل مغرب جتنا جلد اس نکتہ کو سمجھ لیں، اس میں ان کا اپنا بھی بھلا ہے تو خود انسانیت کی بھلائی بھی اس سے وابستہ ہے، اس لئے کہ آج انسانیت مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہونے اور اس کی تقلید میں مادیت پرستی کو اپنا وتیرہ بنا کر، آگ کے انگاروں پر لوٹ رہی ہے۔ انسانیت کو مغرب نے ہی اس بحرانِ عظیم سے دوچار کیا ہے، اسے اس بحران سے نکالنے میں بھی وہی مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے۔

(۱۲۶) آج انسانیت کو ایسے دین ومذہب کی ضرورت ہے، جو ایک تو انسان،

کائنات اور تخلیق کائنات کے حوالے سے اس کے عقیدہ کو درست صورت دے دوم انسان کو ایسی سچی روحانیت اور روحانی تعلیم کی ضرورت ہے، جس سے اس کی روحانی پیاس دور ہوسکے، اور روحانی تسکین وتشفی کا صحیح انتظام ہو سکے، سوم اسے معاشی، معاشرتی، اور سماجی شعبوں میں ایسی تعلیمات اور اصولوں کی ضرورت ہے، جس سے انسانی زندگی میں توازن، تعاون، محبت، شفقت، رواداری اور خیرسگالی کی صورت پیدا ہو سکے اور انسان صحیح معنیٰ میں انسانی جوہروں سے بہرہ ور ہو سکے۔

ان سارے مسائل میں انسان کی رہنمائی عقل کے ذریعہ ممکن نہیں، اس لئے کہ عقل، عام طور پر نفس کا یرغمال شدہ ہوتا ہے، اس لئے وہ زندگی کے پیچیدہ معاملات میں انسان کی رہنمائی سے قاصر ہوتا ہے۔

یہ رہنمائی دنیا میں مروج مذاہب سے بھی حاصل ہونا ممکن نہیں، اس لئے کہ زمانہ کے تغیر سے ان سارے مذاہب کی بنیادی تعلیمات میں اتنا تغیر واقع ہو چکا ہے کہ عقائد سے لے کر سماجی معاملات تک کے بارے میں یہ تعلیمات مسخ ہو چکی ہیں۔

ان سارے معاملات میں انسانیت کی صحیح رہنمائی تو اسلام کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ جس کی بنیادی تعلیمات قرآن وسنت میں صحیح صورت میں موجود ہیں۔ یہ ایسی پاکیزہ تعلیمات ہیں کہ انسانی فطرت سے پوری طرح ہمہ آہنگ ہیں اور انسان کے جملہ مسائل کے حل کے لئے اللہ کی طرف سے اس کا بہترین انتظام ہے۔

مغرب تک اسلام کے اس نظام رحمت کو پیش کرنے کی جو بھی صورت ممکن ہو، اس کے لئے کوشاں ہونا وقت کا سب سے بڑا تقاضا ہے۔

اس کام کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ یورپ، ڈھائی تین سو سال سے دین ومذہب کو مسترد کرکے، اپنے معاملات نفس کے یرغمال شدہ عقل سے طے کرنے کی راہ پر گامزن ہو چکا ہے۔ درمیاں میں کچھ عرصہ کے لئے یورپ میں مذہب کے بارے میں کچھ یہ آرزو پیدا ہورہی تھی کہ مذہب کا سنجیدگی سے مطالعہ کرکے، اس کی اصلیت وحقیقت معلوم کی جائے، لیکن اب میڈیا جس میں فیس بک وغیرہ بھی شامل ہے، اس میں دین ومذہب کے خلاف اور الحاد ودہریت کے حق میں پھر ایک طاقتور لہر شروع ہوگئی ہے اور یورپ کی آدھی سے زیادہ آبادی الحاد ودہریت کے نظریہ کو اختیار کرچکی ہے۔

میڈیا، تیز رفتار سواریوں اور آواز کی، دنیا کے افراد تک آسانی سے رسائی اور تصویری مناظر کی سہولت نے اب دنیا کو سمیٹ کر ایک شہر کی حیثیت دی ہے اور سارے ملک اس بڑے شہر کے محلوں کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اس طرح کی صورتحال میں مغرب سے اٹھنے والی دہریت، اور مذہب دشمنی کی یہ تحریک اور انسان کو ترقی یافتہ حیوان بنانے کی کاوشیں ایسی ہیں، جس سے پوری انسانیت اور خود مسلم دنیا کے نوجوان نسل کا متاثر ہونا یقینی بات ہے۔

بلکہ دیکھا گیا ہے کہ نوجوان نسل موبائل پر دنیا بھر میں ہونے والے فحاشی کے مناظر دیکھنے کے لئے بے قرار ہوگئی ہے اور ان کی حیوانی حس طاقتور سے طاقتور تر ہوتی جارہی ہے۔

(۱۲۷) ہماری نظر میں موجودہ دور میں مذہبی طبقات کے لئے مولانا علی میاں کی فکر سے استفادہ کرنا انتہائی ناگزیر ہے، اس لئے کہ اس فکر میں اپنے دور کے سب سے بڑے علمی، فکری، نظریاتی اور عملی چیلنج کے فہم اور اس سے عہدہ برآ ہونے کی حکمت عملی بھی موجود ہے تو سلف صالحین کی اسلامی فکر سے مطابقت بھی۔ خود احتسابی کی ضرورت کا احساس بھی شامل ہے تو دعوتی کام کی اہمیت کی فکر بھی۔ ملت کو، ملت سمجھنے اور ملت کے مسائل پر کڑھنے، ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ سمجھنے کا احساس بھی

موجود ہے تو اپنے حلقہ سے باہر موجود خیر کے اعتراف اور اس کی حوصلہ افزائی بھی۔

مولانا علی میاں جیسی شخصیتیں امت میں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ ہمارا مذہبی طبقہ اس فکر سے فیضیاب ہو کر ہی اپنی ذہنی وعلمی سطح کو بلند کرنے اور نئے دور کے چیلنج کے حوالے سے افرادِ امت کی بہتر رہنمائی کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

مولانا ندویؒ نے اپنی کوششوں سے جس طرح کی شخصیتیں پیدا کی ہیں، اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

حکیم مولانا محمد اختر الزمان صاحب برمنگھم میں لڑکیوں کا درس نظامی کا مدرسہ چلاتے ہیں، جس میں یورپ بھر سے مسلمان خاندانوں کی بچیاں عالمہ کا کورس کرنے کے لئے مدرسہ میں مقیم ہوتی ہیں۔

حکیم صاحب بزرگ بھی ہیں، ہزاروں افراد ان سے بیعت ہیں۔ ان سے ہمارے محبانہ مراسم ہیں، وہ بتا رہے تھے کہ برطانیہ میں مولانا علی میاں کی تیار کردہ شخصیتیں جن میں مولانا محمد رابع حسنی ندوی وغیرہ شامل ہیں۔ وہ جب وہاں آتے ہیں تو برمنگھم بھی ضرور آتے ہیں، ان کا ہم سے سب سے بڑا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ غیر مسلموں ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں وغیرہ سے ہماری نشست کا اہتمام کیا جائے، تاکہ ان کے سامنے اسلامی دعوت کا پیغام پیش کیا جائے۔

حضرت حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ چونکہ حکیم ہونے کی وجہ سے ان سارے مذہبوں سے وابستہ افراد سے ہمارا تعلق ہوتا ہے، اس لئے ہم ان کے مراکز میں مولانا محمد رابع حسنی ندوی وغیرہ کا پروگرام رکھتے ہیں اور الحمدللہ وہ ان کے سامنے بہت بہتر طور پر اسلامی دعوت پیش کرتے ہیں۔

ایک تو کام کا یہ دائرہ ہے کہ انہیں پوری انسانیت کی فکر دامنگیر ہے۔ دوسرا کام کا دائرہ ہمارا ہے کہ ایک دوسرے کی تردید وتغلیط سے ہمیں فرصت ہی نہیں، دوسرے مسلمان گروہوں سے وابستہ افراد کی اسلامیت کو مشکوک سمجھنا، یہ تو ہمارے مزاج کا حصہ بن چکا ہے۔

اس پس منظر میں مولانا علی میاں کی فکر کا مطالعہ ہمارے لئے ہر اعتبار سے مؤثر اور مفید ثابت ہوگا، اس سے وسعت فکر پیدا ہوگی۔ انسانیت کی فکر دامنگیر ہوگی کہ انہیں جہنم کی آگ سے بچانے کی کس طرح صورت پیدا ہو، اپنی نسلوں کو الحاد ودہریت کے بڑھتے ہوئے طوفاں سے بچاؤ کے سلسلہ میں اضطراب پیدا ہوگا۔

(۱۲۸) موجودہ دور میں کفر کے عالمی مراکز میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ مذاہب بالخصوص اسلام کے اثرات کو مٹانے کے لئے ساری قوتیں اور سارے وسائل استعمال کرنے ہیں اور اس مقصد کے لئے خود مذہبی طبقات کو کس طرح استعمال کرنا ہے، اس کی حکمت عملی بھی تیار کی گئی ہے۔

ترکی میں اسلام کے خلاف ۸۰، ۹۰ سال تک جنگ جوئی کرنے کے بعد بڑی مشکل سے اسلامی تحریک حکومت پر فائز ہوئی ہے اور خالص دین دشمن دستور کے باوجود وہ احیائے اسلام کے لئے کوشاں ہے اور دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی آواز کو اپنی آواز سمجھکر، اسے بلند کر رہی ہے تو عالمی کفر اس اسلامی آواز کو دبانے اور اردگان کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے دوسری سازشوں کے علاوہ فتح گولن کی دعوتی اور اصلاحی تحریک کو بھی بُری طرح استعمال کر رہا ہے اور فتح گولن کی یہ اصلاحی تحریک آسانی سے عالمی کفر کے مقاصد کے لئے استعمال ہورہی ہے۔

ہماری نظر میں دائراتی خولوں میں بندش کے علاوہ اس کا ایک بڑا سبب مذہبی لوگوں کی ذہنی وعلمی سطح ہے کہ وہ اب بھی صدیوں پہلے کے مذہبی اختلافات کے ماحول میں رہ رہے ہیں۔ حالانکہ اِس وقت کفر کی عالمی طاقتوں کے ہاتھوں مسلم امت موت وحیات کی کشمکش سے دوچار ہے۔ ان حالات میں احیائے اسلام اور

دفاع اسلام کا کام کرنے والے افراد اور تحریکیں اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود ملت کے لئے سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ عالمی کفر انہیں اپنی راہ کا سب سے بڑا روڑہ سمجھتا ہے، اس لئے ان کے لئے بنگلہ دیش اور مصر وغیرہ میں تختہ دار سجایا جارہا ہے۔

وقت کا چیلنج پکار پکار کر مذہبی طبقات سے کہہ رہا ہے کہ بالغ نظری کا مظاہرہ کرکے، اپنے کلامی و،علمی و،گروہی وجزوی اختلافات سے بلند ہوکر، ملت کے موت وحیات کے مسائل کو سمجھیں اور اختلافات کے باوجود اہم اور مشترکہ نکات کی بنیاد پر ایک دوسرے سے مفاہمت کی فضا پیدا کرکے، اس چیلنج کے مقابلہ کی تیاری کریں۔ یہ تیاری ذہن سازی کی سطح پر بھی ہو تو علمی سطح پر بھی۔ اپنے ساتھ علمی اختلاف رکھنے والوں سے قربت کی صورت میں بھی ہو تو نئی نسلوں کو سیکولرزم کے عالمگیر اثرات سے بچانے کے لئے بہتر حکمت عملی تشکیل دینے کی صورت میں بھی۔

(۱۲۹) اللہ کی محبت کی راہ ایسی ہے، جہاں محبوب، اپنے محبوں کو اپنی طرف کھینچنے اور محبت کے ارتقائی مراحل طے کرانے کے لئے انہیں دوسروں سے غیر مانوس کرنا چاہتا ہے، تاکہ فرد، راہ محبت میں یکسوئی کے ساتھ چل سکے۔

جس طرح فرد بیک وقت ڈاکٹری اور انجنیر نگ کا کورس نہیں کرسکتا، اس کے لئے کچھ عرصہ کے لئے انجنیئرنگ کی فکر کی بجائے ڈاکٹری کورس کی فکر کو غالب کرنا پڑتا ہے، اسی طرح اللہ سے محبت کے ارتقائی مراحل،دوسروں سے غیر ضروری تعلقات منقطع کئے بغیر طے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے شروع میں طالب کو اپنی شخصیت پر وحدت کے رنگ کو غالب کرنے کے لئے غیرضروری رابطے ومیل وملاقات اور لایعنی سرگرمیوں سے شدت سے احتراز کرنا پڑتا ہے۔ اللہ کی محبت اسے ازخود ایسا کرنے پر مجبور کرے گی۔

جب طالب میں ذکر کا ملکہ راسخ ہوگا، شرعی امور سرانجام دینے کے سلسلہ میں اس کی نفسی سرکشی کا زور ٹوٹ جائے گا۔ اور ذکر سے غفلت وسستی کا مادہ کمزور ہوجائے گا، اس کے بعد اس کی وہ حالت ہوگی، جو ''دست بکار دل بیار'' میں بیان کی گئی ہے۔ یعنی اس وقت فرد بظاہر کام میں مصروف ہوگا، لیکن اس کا دل محبوب کی طرف متوجہ رہے گا۔

(۱۳۰) اِس وقت اسلام، ملت اسلامیہ اور اسلامی تحریک کو ایسے مردانِ کار کی ضرورت ہے، جو کفر کی عالمی طاقتوں کے علمی، نظریاتی، فکری وعملی حربوں اور ملت اسلامیہ کو اپنے شکنجے میں کسنے کی ان کی حکمت عملی سے پوری طرح آشنا ہوں، جدید علوم وفنوں سے بہرہ ور ہوں، جدیدیت کے چیلنج کے مقابلہ کی صلاحیت رکھتے ہوں، حمیت دین کے صاحب ہوں، اللہ کی محبت کے رازدوں سے محبت کے کچھ نہ کچھ اجزاء سے فیضیاب ہوں، جو فروغ اسلام اور دعوت اسلامی کے کام کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنانے کا داعیہ رکھتے ہوں، جو دائراتی خولوں سے بلند ہوکر، پوری امت کو اپنا سرمایہ سمجھتے ہوں۔

نیز قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات سے واقف ہوں اور جو سلف کی تشریحات اسلام سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے، نئے دور کی علمی وذہنی سطح کے مطابق اسلام کی پیشکش کی صلاحیت کے حامل ہوں۔

اسلام اور ملت کی بقا وفروغ اور باطل سے مقابلہ کے لئے اس طرح کے افراد ہی بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر معاشرہ میں اس طرح کے افراد کی قابل ذکر تعداد پیدا ہوجائے تو معاشرہ کو اخلاقی طور پر ٹوٹ پھوٹ سے بچانے اور اسلامی اعتبار سے سنبھالنے میں بہتر اور مؤثر طور پر پیش قدمی ہوسکتی ہے۔

اس طرح کے افراد کی سرگرمیوں کا ہدف معاشرہ ہی ہوگا، ان کی جدوجہد کا

رخ افراد معاشرہ کی تبدیلی ہوگی، اور یہ سارا کام غیر سیاسی سطح پر ہوگا، ان کے اسی کام کے نتیجہ میں ہی معاشرہ سے بہتر سیاسی کارکن، بہتر رفاہی ورکر، اور ہر سطح پر کام کرنے والے بہتر داعی فراہم ہو سکتے ہیں، اس طرح اس وقت ہم جس ہولناک اخلاقی وروحانی بحران سے دوچار ہیں، اس بحران سے نکلنے کی بہتر سبیل پیدا ہوسکتی ہے۔

معاشرے میں پاکیزہ نصب العین کے لئے
اخلاقی تحریک کی ضرورت

پاکستانی معاشرہ اخلاقی اعتبار سے زوال کے جس مقام پر پہنچ چکا ہے، وہاں اس کی نجات کی راہ صرف ایک ہی ہے اور وہ راہ معاشرہ میں ہمہ جہتی اور ہمہ گیر پاکیزہ اخلاقی نصب العین کی تحریک ہے، جسے شروع کرنے کی ضرورت ہے اور یہ سارے کاموں سے زیادہ اہمیت کا حامل کام ہے۔

اس تحریک کے بغیر پاکستانی معاشرے میں بڑھتی ہوئی بددیانتی، غیر ذمہ داری، لوٹ مار، بدامنی، عوامی استحصال، حکومتی وسائل کے غلط استعمال، حکمرانوں، مالداروں اور سرمائیداروں کے بڑے پیمانہ پر احتساب کی صورت کا پیدا ہونا ممکن نہیں، اس تحریک کو اسلامی نظریہ سے ہمہ آہنگ ثقافتی تحریک کا نام دیں یا معاشرہ کے اجتماعی ضمیر کو بدلنے اور خود احتسابی کی تحریک قرار دیں، اب ضرورت ہے کہ پاکستانی معاشرے میں اس طرح کی ہمہ جہتی اور ہمہ گیر تحریک شروع ہو، جس کے زیر اثر افرادِ معاشرہ میں یہ طاقتور احساس پیدا ہو کہ اپنے آپ کو بدلنے، اپنے اندر میں انقلاب برپا کرنے، اپنے ضمیر کو بیدار کرنے اور اپنے نفسوں میں تغیر پیدا کئے بغیر ملک کے حالات میں فیصلہ کن تبدیلی کا پیدا ہونا ممکن نہیں، اس لئے کہ افرادِ معاشرہ کے قابل ذکر حصہ کے نفسوں میں تغیر پیدا کئے بغیر محض قانون کی تبدیلی، عدلیہ کے فیصلوں، حکمرانوں کے بادل ناخواستہ قانونی اقدامات اور خارجی اقدامات سے معاشرہ میں نہ تو حقیقی انقلاب برپا ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے معاشرہ کو ہمہ گیر اخلاقی بحران سے بچایا جاسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کا حقیقی بحران اخلاقی اور تہذیبی نوعیت کا بحران ہے۔ جس کے تحت معاشرے کا ہر طبقہ یہ چاہتا ہے کہ ملک اور ریاست سے

اس کے جو بھی جائز وناجائز مفادات وابستہ ہیں، وہ مفادات جوں کے توں قائم رہیں، ان پر کوئی ضرب نہ لگے، بس ایسا انقلاب برپا ہو کہ انہیں اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی ضرورت درپیش نہ ہو، ان کی نفسی خواہشات کی راہ میں کوئی رکاوٹ موجود نہ ہو اور ان کی طرف سے معاشرے کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی صورت پیدا نہ ہو۔

ہمارے سرمائیداروں، ہمارے زمینداروں، ہمارے مالداروں، ہمارے سیاستدانوں، ہمارے سول اور فوجی نوکر شاہی سے وابستہ افراد، ہمارے تاجروں، ہماری میڈیا سے وابستہ صنعتکاروں، غرض سب کی مجموعی طور پر جو حالت ہے، وہ یہ ہے کہ اجتماعی مقاصد ومفادات کے لئے وہ ذاتی مفادات سے کسی صورت دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں، ضرورت ہے کہ اس اجتماعی احساس کو ایک نئی اجتماعی ثقافتی تحریک کی صورت دی جائے اور اس تحریک کی پہلی آہنگ اور منشور کا پہلا نکتہ ہی یہ ہو کہ سیاستدان، سیاسی کارکن، تاجر، وکیل، ڈاکٹر، آفیسر، صنعتکار، وزیر، اساتذہ، کلارک وغیرہ سب قوم کی حالت زار پر رحم کرتے ہوئے اپنی اجتماعی قومی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور قوم سے خیانت اور لوٹ مار کی اپنی ذہنیت میں تبدیلی پیدا کریں، دعووں اور نعروں سے زیادہ کام کرکے دکھائیں، معاشرہ کے پست اور بنیادی ضروریات سے محروم طبقات کی ضروریات کے لئے تعاون کے اجتماعی پروگرام شروع کریں۔ اپنی ذات اور اپنے نفس کی دنیا میں اسیر رہنے کی نفسیات میں انقلاب برپا کریں، ملک وریاست کے حوالے سے اپنی اخلاقی ذمہ داریاں پوری کریں، اگر وہ قوم کے لئے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تو کم ازکم یہ تو کریں (جو ان کا قوم پر احسان شمار ہوگا کہ) وہ اپنی ذات کے حوالے سے ملک اور قوم کو زیادہ نقصان نہ پہنچائیں۔

میڈیا کے نام اس ثقافتی تحریک کا پیام یہ ہو کہ وہ جھوٹ اور جھوٹی کہانیوں کو تشہیر نہ دیں اور پاکستانی معاشرہ کو مادر پدر آزادی اور جنسیت زدگی کی اس دلدل میں مبتلا نہ کریں، جس میں مغربی معاشرہ بُری طرح مبتلا ہوکر، خاندانی نظام کی تباہی اور ہولناک نفسیاتی، اعصابی اور معاشرتی بحران کا شکار ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی زندگی آخرت کے جہنم سے پہلے اس دنیا میں جہنم کا روپ اختیار کر چکی ہے۔

ڈاکٹروں کے نام اس ثقافتی تحریک کا پیام یہ ہو کہ وہ ملک کی عمومی غربت کی حالت کو پیش نظر رکھ کر، جلد سے جلد مالدار بننے کی خاطر مریضوں کے معائنہ اور آپریشن فیس وغیرہ کے نام پر ان سے لوٹ مار نہ کریں، اپنی معائنہ اور آپریشن فیس برائے نام رکھیں، دواؤں کی کمپنیوں اور ایکسرے اور ٹیسٹ والوں سے کمیشن کی وصولی کا سلسلہ ختم فرمائیں، اس سے اگرچہ وہ جلد سے جلد امیر نہ بن سکیں گے، لیکن غریب مریضوں کی دعاؤں کی برکت سے وہ اور ان کا پورا گھرانہ سکون وسکینت سے بہرہ ور ہوگا اور وہ اپنے گھر ولی ومعاشرتی معاملات میں خدا کی مدد کو آتا ہوا محسوس کریں گے۔

سرمائیداروں اور تاجروں کے نام اس ثقافتی تحریک کا پیام یہ ہو کہ وہ کروڑپتی اور ارب پتی بننے کی خاطر اخلاقی اصولوں کو پامال کرکے، عوام کا استحصال نہ کریں، مختلف طریقوں سے مہنگائی بڑھانے میں کردار ادا نہ کریں۔ آفیسروں سے ملی بھگت کرکے، ٹیکس چوری، بجلی کے بلوں کی ادائیگی میں دھوکہ دہی کے ذریعہ ریاست کو ماہانہ اربہا روپے کا نقصان نہ پہنچائیں، ملک کے اَسی فیصد سے زائد لوگ بنیادی ضرورت کی چیزوں کے محتاج ہیں، جب کہ تم لوگ لوٹ مار کے ذریعہ بے حساب دولت کے مالک بن کر، دولت پر سانپ بن کر بیٹھ گئے ہو، تمہارا یہ کردار ایسا ہے، جو اخلاقی، انسانی اور قومی وملی ہر نقطہ نگاہ سے منفی کردار ہے، اور قوم کی تباہی کا پیشہ خیمہ بھی، اپنی اور اپنی نسلوں کی حالت زار پر رحم کھاتے ہوئے، دور اندیشی کا مظاہرہ کرکے، اپنی اس روش میں تبدیلی پیدا کرو، اس سے انشاء اللہ عوام کے مسائل میں بڑی حد تک کمی واقع ہوگی اور ملک کے صحتمند خطوط پر رواں دواں ہونے میں مدد

ملے گی۔

افسروں اور سرکاری ملازمیں کے نام اس ثقافتی تحریک کا پیام یہ ہو کہ سرکاری اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے، پچھلے ساٹھ سال سے وہ ملک کو غیر معمولی نقصان پہنچا چکے ہیں۔ سرکاری خزانہ سے لوٹ مار اور رشوت وغیرہ کے ذریعہ وہ ملک کا سب سے بڑا مراعات یافتہ طبقہ بن چکے ہیں۔ پاکستان میں سب سے بڑے بنگلوں، پلاٹوں، جائداد، املاک اور عیش وعشرت کے سامان کے اعتبار سے وہ سارے طبقات پر بازی لے گئے ہیں۔ قوم سے حاصل شدہ ان جائز وناجائز مراعات کے بدلہ میں وہ قوم کو مسائل کی ایسی دلدل میں مبتلا کر چکے ہیں کہ بدامنی وبدنظمی کی وجہ سے دیہاتی آبادی شہروں میں تیزی سے منتقل ہورہی ہے اور شہری آبادی راستوں کی ٹوٹ پھوٹ، نکاسیٔ آب کے نظام کی تباہی سے لے کر روزہ مرہ زندگی کے ہزارہا مسائل سے دوچار ہو چکی ہے۔ عوام کے ان مسائل کے پیدا کرنے میں تمہاری نااہلی، بددیانتی، اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر جلد سے جلد مالدار بننے کی ذہنیت کو بنیادی عمل دخل حاصل ہے۔ اب بہت ہو چکا، خدا کے لئے اب اپنی ذہنیت اور مزاج میں تبدیلی پیدا کرو اور اپنی انتظامی ذمہ داریوں کے ذریعہ شہروں کے نظام کو بہتر بناؤ، لوگوں کے مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں اپنے اختیارات کا صحیح استعمال کرو، اس سے انشاء اللہ ملک کے عوام کے مسائل میں بڑی حد تک کمی واقع ہوگی اور ملک کو لاحق خطرات بھی بڑی حد تک دور ہوجائیں گے۔

ملک کے تعلیمی ماہروں، جدید تعلیمی اداروں کے سربراہوں اور اساتذہ کرام کے نام اس ثقافتی تحریک کا پیام یہ ہوگا کہ ملک میں بے مقصد نظام تعلیم کو جاری وساری کرکے، وہ ہر سال ملک کو ہزاروں لاکھوں ایسے افراد مہیا کرتے ہیں، جن کے سامنے مادہ پرستی اور دنیاوی زندگی کے مستقبل کو بہتر بنانے کے سوا کوئی مقصد پیش نظر نہیں ہوتا، تعلیمی اداروں سے نکلنے والے یہ افراد تجارت کا رخ اختیار کریں یا انتظامیہ کا یا سیاست کا، وہ جس شعبہ میں بھی جاتے ہیں، وہاں دولت کمانے کے جنون اور زندگی کو عیش عشرت کے ساتھ گذارنے کی حسرت کا باطل نصب العین ہی ان کا اوڑنا بچھونا بن جاتا ہے۔

پھر تعلیمی ادارے علم کے نام پر جو سندیں جاری کرتے ہیں، وہ اکثر جہالت کی سندیں ہوتی ہیں، اس لئے کہ تعلیمی ڈگریاں اب پیسوں سے ملنے لگی ہیں، اساتذہ کرام جن میں بڑے بڑے پروفیسر اور ڈاکٹر صاحبان شامل ہیں، ان پر ہمہ وقت جو جنوں طاری ہے، وہ یہ ہے کہ تعلیم کے نام پر زیادہ سے زیادہ دولت کمائی جائے، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ جائداد واملاک کے صاحب بن سکیں۔

ملک کے تعلیمی اداروں کی یہ ایسی صورتحال ہے، جو سب سے زیادہ المناک اور تشویشناک ہے، جس پر خون کے جتنے آنسو بہائے جائیں، کم ہیں۔

تعلیم کی اصل، علوم کی خالق ہستی کی معرفت، انسانی جوہروں سے بہرہ وری اور نفس شناسی اور حیوانی وجبلی قوتوں کو مفتوح کرنے کا گر سیکھنا ہے۔ جب کہ ہمارا موجودہ تعلیمی نظام، تعلیم کی اس روح سے خالی ہوکر، محض فنوں، کا نام بن کر رہ گیا ہے۔

تعلیمی ماہروں، تعلیمی اداروں کے سربراہوں اور پروفیسروں اور ڈاکٹروں کو سوچنا چاہئے کہ وہ اسلامی نظریہ کی حامل ملت کے تعلیمی نظام کے ساتھ یہ حشر کرکے، کس خدمت کو سرانجام دے رہے ہیں، ملک وملت کی یا دشمنانِ ملک کی، اس لئے کہ پاکیزہ نصب العین سے محروم نظام تعلیم اُس دشمن سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتا ہے، جو جدید اسلحہ جات کے ساتھ ملک وقوم پر حملہ آور ہوتا ہے، نیز اس طرح کے نظام تعلیم سے نکلنے والے افراد دولت کی خاطر ملک وقوم کو بیچنے ہی کا کردار ادا کرتے ہیں۔

خدا کے لئے ملک کے نظام تعلیم کی کل درست کیجئے، اس میں، اسلامی نظریہ

سے ہمہ آہنگ پاکیزہ نصب العین کے بھرپور اجزاء شامل کیجئے، ورنہ بے مقصد نظام تعلیم نے اب تک ملک کی جو درگت بنائی ہے، اور ملک کو جو افسر، جو تاجر، جو اہل سیاست واہل دانش فراہم کئے ہیں، مستقبل میں یہ نظام تعلیم اس سے ہزارہا گنا زیادہ بُرے نتائج پیدا کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔

ثقافتی تحریک کا، پاکستان کی عدلیہ کے نام پیام یہ ہوگا کہ پاکستان کی ملت اسلامیہ کے لاکھوں افراد ہیں، جو معمولی معمولی مقدمات میں بیسیوں سالوں سے کورٹوں کے چکر لگارہے ہیں، اور ان کے مقدمات طے نہیں ہو پاتے، کیا عدلیہ چھوٹے چھوٹے مقدمات کے فیصلے کرنے کے سلسلہ میں کوئی ایسا طریقہ کار وضع نہیں کرسکتی، جس میں فریقین کو دو چار ماہ کے اندر انصاف مل سکے، اگر عدلیہ اس طرح کا پروگرام مرتب کرسکی تو یہ پاکستان کی ملت اسلامیہ پر ان کا بڑا احسان ہوگا۔ ورنہ اس سلسلہ میں ہزاروں لاکھوں لوگوں کی زندگیاں عدالتوں کے چکر کاٹنے میں ہی پوری ہوجاتی ہیں۔

اس ثقافتی تحریک کا، فعال ومتحرک سیاسی قیادت کے نام یہ پیغام ہو کہ سیاست کو تجارت وکاروبار کی حیثیت دے کر، پاکستان کی پوری سیاسی تاریخ میں انہوں نے عالمی قیادت کی ملی بھگت سے، جو دولت کمائی ہے اور ملک کے مفادات کا جو سودا کیا ہے، وہ ان کا ایسا کردار ہے، جو پاکستان کی ملت اسلامیہ کے ذہنوں پر نقش ہے، ان کے جوڑ توڑ کے اس کردار کی وجہ سے ہی فوج کو ملک پر شب خون مارنے کا موقعہ ملتا رہا ہے۔

سیاست کے ذریعہ انہوں نے جو دولت کمائی ہے، وہ اتنی زیادہ ہے کہ ان کی کئی نسلوں کے لئے کافی ہے، اب خدا کے لئے وہ ملک وملت کی حالت زار پر رحم فرمائیں، اور سیاست واقتدار کو دولت کے انبار جمع کرنے اور عالمی سامراج سے رقم لے کر، ملک کے مفاد کو ان کے ہاتھوں بیچنے کا ذریعہ بنانے کی بجائے، اسے ملک وملت کی خدمت کا ذریعہ بنائیں، یہ ملت پر ان کا بڑا احسان ہوگا۔

وقت کے حکمرانوں کے نام اس ثقافتی تحریک کا پیام یہ ہو کہ ہر ریاست کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ریاست کا انتظامی ڈھانچہ اور کابینہ وممبران اسمبلی اس طرح تشکیل دیتے ہیں، اس پر اتنے اخراجات کرتے ہیں، جس کا ملک متحمل ہو، کوئی بھی قوم اور ریاست قرضہ لے کر، اپنے ملک کا انتظامی نظام چلانے کی حماقت نہیں کرسکتی، ملک کی مجموعی آمدنی سے زیادہ ریاست کے اجتماعی اخراجات، پھر انہیں سود درسود قرضوں کے ذریعہ پورا کرنے کی روش ایسی ہے، جو نااہلیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جب عوامی سطح پر کوئی بھی فرد قرض کے ذریعہ اپنے گھر کے اخراجات پورے کرنے اور اس روش کو مستقل اختیار کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تو ریاست کی سطح پر حکمرانوں کی یہ روش آخر کس اعتبار سے صحیح قرار دی جاسکتی ہے، وزراء کی فوج ظفر موج رکھنا، اسمبلی کی سائیز میں اضافہ کرتے رہنا، سیکریٹریوں اور ڈپٹی سیکریٹریوں کو مراعات کے نام پر قومی خزانے سے اربہا روپے دیتے رہنا، یہ ملک وقوم کے ساتھ بہی خواہی اور سنجیدگی نہیں ہے، بلکہ ایسی بدخواہی ہے، جس سے بڑھ کر بدخواہی کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ جس ملک کے اَسی فیصد عوام روٹی اور علاج کے محتاج ہوں، اس ملک کے وزراء، ممبرانِ اسمبلی اور سیکریٹریوں وغیرہ کے بنگلوں، بڑی بڑی گاڑیوں، علاج ومعالجہ اور خادموں کے نام پر ماہانہ اربہا روپے خرچ کرنا، یہ روش ثابت کرتی ہے کہ ایک تو ہمارے حکمران ملک میں ہولناک طبقاتی نظام کو قائم رکھنا چاہتے ہیں، دوم یہ کہ وہ ملک کو بڑے لوگوں کی عیاشی کی خاطر عالمی قوتوں کے قائم کردہ اداروں کا مقروض بنا کر قوم پر غلامی کا قلادہ کسنا چاہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں اب تک جو ہو چکا، وہ ہو چکا، اب ہمارے حکمرانون کو عاقبت

اندیشی کا مظاہرہ کرتے اور قوم کی حالت زار پر رحم کھاتے ہوئے وزراء، ممبرانِ اسمبلی اور سیکریٹریوں کے اخراجات میں اَسی فیصد کمی کرتے ہوئے، انتظامی اخراجات کو آمدنی کی مطابقت سے تشکیل دینا چاہئے۔ سادہ گاڑیاں استعمال کرنی چاہئے۔ بڑے بڑے بنگلوں کے بجائے ضرورت کے مطابق چھوٹے سائیز کے گھر (مکانات) کا اہتمام کرنا چاہئے اور دیگر ساری مراعات میں کمی کرنی چاہئے، اس سے ایک تو ملک میں سادگی کو عمومی رواج حاصل ہوگا۔ دوم یہ کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور بڑی بڑی گاڑیاں اور بڑے بڑے بنگلے رکھنے اور زیادہ سے زیادہ آرام دہ بلکہ عیاشی کا سامان رکھنے کے معاملہ میں افراد معاشرہ میں مسابقت کی روش میں غیرمعمولی کمی واقع ہوگی، دوم یہ کہ عالمی مالیاتی اداروں کی محتاجی سے بچاؤ کی ازخود صورت پیدا ہوجائے گی۔

فوجی قیادت کے نام، اس ثقافتی تحریک کا پیام یہ ہو کہ فوجی ادارے کا مقصد ملک کے تحفظ وسلامتی اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے انتظام کرنا ہے۔ اس اعتبار سے جب پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو مجموعی طور پر فوجی قیادت کا کردار نہ صرف یہ کہ قابل قدر نظر نہیں آتا، بلکہ اس پر اہل پاکستان کے سرشرمندگی سے جھک جاتے ہیں، ایوب خان کے مارشل لاء سے لے کر جنرل مشرف کے آٹھ سالہ دور تک ملک کی سالمیت اور ملک کی نظریاتی بنیادوں کے خلاف کون سے ایسے اقدامات ہیں، جو نہ ہوئے ہوں، مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے لے کر لال مسجد کے واقعہ تک یہ سارے واقعات ملک پر فوج کے دور حکمرانی میں ہوئے۔

فوج کے اس کردار کا ایک بڑا سبب حب جاہ وحب مال کے بڑھتے ہوئے جذبات ہیں، جو افواج میں پیدا ہوچکے ہیں، پاکستان کی قومی آمدنی کی بڑی رقم جنرلوں، کرنلوں، اور میجروں کی فوج ظفر موج کو دی جانے والی مراعات پر خرچ ہوتی ہیں، اسلحہ جات کی خریداری پر کمیشن کی رقم اس سے جدا ہے، ملک کے اَسی فیصد لوگوں کی، غربت کی انتہائی سطح پر پہنچ جانے کی موجودہ صورتحال میں فوج میں افسروں کے بہت بڑے نظام پر اربہا روپے خرچ کرنا، یہ ایسا سوال ہے جس پر ہماری فوجی قیادت کو سوچنا چاہئے۔

اسلامی ملک کی فوج کی اصل زینت جذبۂ جہاد ہوتا ہے، نہ کہ بے پناہ مالی مراعات، ضرورت ہے کہ فوجی نظام میں جذبہ جہاد کو فروغ دینے پر پوری توجہ دی جائے اور حب جاہ وحب مال کے اسباب وذرائع کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی جائے۔

پاکستان کی سلامتی کو لاحق خطرات سے دوری کی صورت بھی یہی ہے کہ فوجی ادارے سے وابستہ افراد کی معاشرتی سطح، ملک کے متوسط طبقہ کے افراد سے زیادہ بلند نہ ہو۔

زرعی، تجارتی، صنعتی، ٹیکنالوجی اور سائنسی ماہرین اور ان اداروں کے سربراہوں کے نام اس ثقافتی تحریک کا پیام یہ ہو کہ وہ ملک کی، ان جملہ ضروریات میں خود کفالت کے حصول کے لئے دردمندی ومستعدی کے ساتھ اپنی منصبی اور ملی ذمہ داریاں ادا کریں، قدرت نے پاکستان کو ہر اعتبار سے مالا مال کیا ہے، زرعی زمین، زیر زمین قدرتی وسائل، ملک کے لئے خدمات سرانجام دینے والے ہزاروں ماہرین (جو مغربی ممالک اور مشرق وسطیٰ میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں) سے بہتر اور صحیح منصوبہ بندی سے کام لیا جائے تو وطن عزیز جملہ ضروریات کی پیداوار میں نہ صرف خود کفیل ہوسکتا ہے، بلکہ وہ صنعت وٹیکنالوجی اور زرعی اجناس وغیرہ میں پورے عالم اسلام کی مدد ورہنمائی کرسکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ہمارے ماہرینِ

زراعت وتجارت وٹیکنالوجی اگر مشنری اسپرٹ کے ساتھ کام کریں اور اس سلسلہ میں حائل رکاوٹوں اور اوپر کے دباؤ کا جرأت رندانہ حوصلے کے ساتھ مقابلہ کرکے، منصوبہ بندی سے کام لیں تو اس سے پاکستان کی ملت اسلامیہ کے استحکام کی صورت پیدا ہوگی، جس سے قوم ان کے لئے دعا گو ہوگی اور پاکستان کی نسلیں انہیں یاد رکھیں گی۔

اس ثقافتی تحریک کا، صوفیاء کرام کے نام پیام یہ ہو کہ وہ اپنے اپنے دائروں میں افراد کی اصلاح کا جو کام سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ یقیناً قابل قدر ہے، تاہم اس کام میں اگر وہ اپنے حلقہ سے وابستہ افراد میں غلو پیدا کرنے میں احتیاط سے کام لیں اور اپنی خانقاہوں کے علاوہ دوسری خانقاہوں کے یہاں موجود خیر کا اعتراف کریں اور اپنے مریدوں میں وسعت ذہن وفکر پیدا کریں تو یہ ان کا ملت اسلامیہ پر احسان ہوگا، اس لئے کہ ملت پہلے ہی گروہوں میں منقسم ہے، اگر خانقاہی نظام بھی ذہنی تنگ نظری پیدا کرکے، دائراتی خولوں کو مستحکم کرنے کا ذریعہ بنے گا تو ملت میں، ملت پن کے تصور کو فروغ دینے کا کام اور کون سرانجام دے گا۔

مذہبی طبقات کے لئے اس ثقافتی تحریک کا پیام یہ ہو کہ وہ تنگ نظری، تعصب، مسلکی اور جماعتی دائراتی خولوں سے بلند ہو کر، ملت کو ملت کی حیثیت سے دیکھیں، اور دائراتی جماعتوں کے مقابلہ میں ملت کے اجتماعی مفاد کو ترجیح دیں اور آپس کے فروعی، مسلکی وکلامی اختلافات کو نصب العینی اختلافات کی نوعیت ہرگز نہ دیں۔

کاش، ملک میں ہر شعبہ سے وابستہ دردمند افراد اس کام کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے مقامی سطح سے اس ثقافتی تحریک کے کام کا آغاز کریں۔

ریٹائرڈ سرکاری افسروں، تعلیمی ماہروں، ججوں، تاجروں اور ڈاکٹروں اور تجربہ کار دانشوروں وغیرہ میں دردمند اور حساس دیندار افراد اگر اس سلسلہ میں متحرک ہوں اور باہم مل بیٹھ کر کوئی لائحہ عمل طے کریں تو ثقافتی انقلاب کی یہ تحریک چند سالوں کے اندر اندر ملک کی مؤثر ترین تحریک بن سکتی ہے۔

اس طرح پاکستانی معاشرہ میں اخلاقی نصب العین کے لئے ایک ہمہ گیر تحریک وجود میں آسکتی ہے۔

آخری دور کے فتنے اور
ان سے بچاؤ کی صورتیں

واہ کینٹ ماڈل ٹاؤں، مدرسہ عرفان القرآن میں حضرت مولانا احسان الحق الحسینی صاحب نے ۳۱ مارچ کو شام کو ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام کیا تھا، جس میں ہر مکتبہ فکر سے وابستہ علمی شخصیتوں نے شرکت کی۔ زیر نظر مقالہ اسی مجلس مذاکرہ کے لئے لکھا گیا اور وہاں پڑھا گیا۔ **(ادارہ)**

موجودہ دور، جس میں ہم رہ رہے ہیں، وہ دجالی تہذیب کے علمبرداروں کے غلبہ کا دور ہے، عالمی سطح پر مکر وفریب کے حامل کروڑہا افراد پیدا ہو چکے ہیں، جو مادیت اور خالص مادی زندگی پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ دجال، جس کی احادیث میں پیشن گوئیاں فرمائی گئی ہیں، وہ مادیت پرستی کی فضا سے جنم لینے والی مکر وفریب کی حامل بے شمار شخصیتوں کی پشت سے ہی ظاہر ہوگا۔ جو اس کے دجل و فریب کو انسانیت کے لئے تاریخ انسانی کا سب سے بڑا المیہ بنا دیں گے۔

دجالی تہذیب کے علمبردار جس طرح دجال کے لئے فضا ہموار کررہے ہیں، اور مسلم امت اور پوری انسانیت کے لئے جس طرح اخلاقی وروحانی قدروں سے دوری وبغاوت کا ذریعہ بن رہے ہیں، وہ ایسی صورتحال ہے، جو خود ہمارے اپنے ایمان کی سلامتی وتحفظ کے لئے غیر معمولی فکرمندی کی متقاضی ہے۔

اس آخری دور میں ایمان کی سلامتی کے لئے جو خطرات پیدا ہو گئے ہیں، ان میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ معاش نے زندگی میں سب سے زیادہ فیصلہ کن اہمیت اختیار کر لی ہے۔ اور زیب وزینت وآسائش کی چیزیں بھی ضروریات زندگی کا حصہ بن گئی ہیں۔ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے کے ہمارے دیندار افرادِ معاشرہ کی خاصیت یہ تھی کہ دال روٹی، سادہ مکان اور سادہ لباس ہی ان کے لئے ضروریات زندگی کا عنوان تھا، عام طور پر اس سے زائد چیزیں ضروریات زندگی میں شمار نہ ہوتی تھیں، اب ٹیکنالوجی ترقی اور دین ومذہب کی گرفت کی کمزوری کی وجہ سے ضروریات زندگی میں دسیوں نئی چیزیں شامل ہوگئی ہیں، اور لگ بھگ ہر فرد ان چیزوں کے حصول کے لئے اپنی بیشتر توانائیاں مادی زندگی کو بہتر اور خوشحال بنانے کی جدوجہد میں صرف کرنے پر مجبور ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے غلبہ کی وجہ سے ہر فرد کمانے کی مشین بن کر رہ گیا ہے۔

اس طرح ہزاروں سالوں سے انبیاء کرام کے ذریعہ انسانی شخصیت پر الہامی تعلیمات کے جو اثرات موجود تھے، تاریخ میں پہلی بار یہ اثرات بُری طرح مسخ ہونا شروع ہوگئے ہیں۔

اس دور کی دوسری بُری خصوصیت جس میں یہ دور سابقہ ادوار سے ہر اعتبار سے مختلف ہے، وہ یہ ہے کہ عورت، جو گھر کو سنبھالنے اور بچوں کی پرورش اور تربیت کا مرکز اور ذریعہ ہے، اسے گھر سے نکال کر بازار میں لاکھڑا کر دیا گیا ہے۔ عالمی سرمایہ دار وصنعت کار نے ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے کہ سامان کی فروخت کے لئے عورت کے حسن اور اس کی عریانی کو استعمال کیا جانے لگا ہے اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ اور زندگی کے ہر موڑ پر عورت کو مرد کے شانہ بشانہ کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اسمبلی سے لے کر بلدیاتی اداروں اور ہر سرکاری محکمہ میں عورت، مرد کے دوش بدوش موجود ہے اور انٹرنیٹ کے ذریعہ یہ مناظر عام ہیں، اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کی تخلیق کچھ اس طرح کی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے کشش اور میل ومیلاپ کے جذبات سے سرشار ہیں، اس لئے سارے مذاہب نے عورت ومرد کے درمیاں فاصلے قائم رکھے ہیں، تاکہ دونوں کے روابط میں رکاوٹیں موجود ہوں، اس طرح انسانی معاشرہ دونوں کے آزاد میلاپ کے نتیجہ میں برپا ہونے والے فساد سے بچ

سکے۔

موجودہ مادہ پرست تہذیب نے عورت ومرد کے درمیاں موجود ان فاصلوں کو ختم کر دیا ہے، تعلیم کے نام پر، ملازمت کے نام پر، مساوات کے نام پر اور آزادی کے نام پر عورت کو بازار کا کھلونا بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح عورت ومرد کے ذہن پر ہر وقت بے لاگ جنسی جذبات کو سوار کر کے دونوں کو شدید فکری انتشار میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔

یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ دجالی تہذیب کے علمبرداروں کے پاس جو بے پناہ وسائل موجود ہیں، ٹیکنالوجی اور میڈیا کی جو طاقت حاصل ہے، اور ذہنوں کو تبدیل کرنے کی جو صلاحیت موجود ہے، وہ اتنی زیادہ ہے کہ آج سے پہلے کا انسان اس کا تصور کرنے سے ہی قاصر تھا۔

تیسری دنیا کے سارے مسلم ممالک کے حکمران اور ان کے سارے مؤثر طبقات یا تو دجالی تہذیب کے علمبرداروں سے ذہنی طور پر مرعوب ہیں یا وہ اپنی کاروباری، تجارتی، مالی مفادات اور اقتدار کی مجبوریوں کی وجہ سے ان سے ساز باز کر چکے ہیں اور ان کے سامنے بھیگی بلی بننے پر آمادہ ہیں۔

عالمی سرمایہ دار کی طرف سے مسلم ممالک کے حکمرانوں اور بیوروکریسی اور میڈیا سے وابستہ افراد یہ ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ لبرل ازم اور سیکولرزم کے لئے فضا ہموار کرنے اور مسلم معاشروں کو دین ومذہب کی گرفت سے آزاد کرنے کے لئے ہر ممکن حد تک کوشاں ہوں، اس مقصد کے لئے وہ نظام تعلیم اور میڈیا کو مکمل طور پر مادہ پرست بنائیں، عورت کے عفت کے تصور کو پامال کرنے کے لئے اسے گھر سے باہر میدان میں لائیں۔ دینی ومذہبی جماعتوں کو یا تو خریدنے کی کوشش کریں یا انہیں ہر طرح سے بے اثر بنائیں، اگر انہیں کچلنے کی ضرورت درپیش ہو تو اس سے بھی گریز نہ کریں۔

مسلم دنیا کے حکمران سارے عالم اسلام میں دجالی تہذیب کے علمبرداروں کی اس پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ لگتا ہے کہ آنے والے چند سالوں میں افراد کے لئے دین وایمان پر قائم رہنا مزید دشوار ہوجائے گا اور ہماری نسلیں تو بدترین اخلاقی بحران سے دوچار ہوں گی، بلکہ ایمان پر قائم رہنا ان کے لئے ہاتھوں میں انگارے لینے کے مترادف ہوگا۔

اور اُن احادیث کا منظر سامنے ہوگا، جن میں فرمایا گیا ہے کہ فرد صبح کو صاحب ایمان ہوگا تو شام کو حالت کفر میں چلا جائے گا، یا وہ حدیث شریف ہے کہ اُس وقت کھڑا ہونے سے بیٹھنے والا بہتر ہوگا۔ یہ بھی حدیث شریف ہے کہ آخری دور میں مغرب سے آگ اٹھیگی، جو اہل مشرق کو اٹھا کر لے جائیگی۔

مادہ پرستی کی یہ آگ مغرب سے پوری جولانی کے ساتھ اٹھکر اہل مشرق کا گھیراؤ کر چکی ہے۔

فتنہ دجال جس سے سارے انبیاء کرام اور حضور نبی اکرم ﷺ پناہ مانگتے رہے ہیں اور جس سے صحابہ کرام خوف زدہ رہتے تھے، ہم اسی فتنہ دجال کے قرب کے دور میں سانس لے رہے ہیں۔ دجال کی وہ شخصیت اگرچہ ابھی ظاہر نہیں ہوئی، لیکن مادہ پرست دجالی تہذیب عروج پر ہے۔ اور اس تہذیب نے مکر وفریب کے حامل کروڑ ہا افراد پیدا کر کے انسانیت اور انسانی اقدار کے لئے زبردست خطرات پیدا کر دیئے ہیں۔

ان حالات میں اپنے دین وایمان کی سلامتی کی فکر ایسی چیز ہے جو سارے کاموں سے زیادہ اولیں ترجیح کی متقاضی ہے۔

ویسے بھی انسانی نفس خود اتنا طاقتور ہے کہ اسے ضابطہ میں رکھنا بجائے خود دشوار تر کام ہے، لیکن جب خارج میں اس نفس کی دنیا میں طوفان برپا کرنے والی ہزاروں طاقتور اور فریب کن چیزیں وجود میں آ گئی ہوں تو ان حالات میں اپنی

اصلاح کے کام کی فکر اور اس کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

دجالی تہذیب کے سب سے طاقتور آلات جو انتہائی تیزی کے ساتھ انسانی ذہن اور دل پر گرفت حاصل کرکے، نفس پرستی کی قوتوں کو مشتعل کرنے کا ذریعہ بن رہے ہیں، جن کی گرفت سے انسانیت کی کوئی آبادی اور کوئی کونہ وکوئی علاقہ خالی اور آزاد نہیں ہے، وہ نیٹ، موبائل اور ٹیلیویزن ہے، ان آلات تک ہر فرد کی رسائی عام ہوگئی ہے، ان آلات میں دجالیت کا وہ سارا منظر موجود ہے، جس سے فرد وافراد پر جنسی جذبات، مادی نوعیت کے جذبات اور مادی حسن پر فدائیت کے جذبات غالب رہتے ہیں اور فرد کے لاشعور میں ان مادی جذبات کی تسکین کے لئے ہر وقت تہلکہ برپا رہتا ہے اور لاشعور میں ان مادی احساسات وتفکرات کے علاوہ پاکیزہ احساسات کے لئے کوئی گنجائش موجود نہیں ہوتی۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ دجالی تہذیب ہمارے گھروں کے دروازوں پر دستک دے رہی ہے، بلکہ صحیح الفاظ میں وہ ہمارے گھروں میں داخل ہوچکی ہے، لیکن ہم اس سے بے نیاز ہوکر، آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ اس تہذیب کی طرف سے دنیا وآخرت کی تباہی کے انتظامات سے بچاؤ کے سلسلہ میں ہماری غفلت، اور عدم حساسیت ہماری قابل رحم حالت کی عکاس ہے۔ حساس، بیدار اور چوکنا ہونے کی ضرورت ہے۔ ایمان کی حفاظت وسلامتی کی دولت اتنی عظیم دولت ونعمت ہے کہ اس کے لئے اگر ساری صلاحیتوں وتوانائیوں کا بھی استعمال ہوتو گویا سستا سودا ہے۔

آخری دور کے ان فتنوں سے بچاؤ کے سلسلہ میں سب سے پہلی چیز جو سب سے مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے، وہ اللہ کا ذکر کثیر ہے، جس کی قرآن واحادیث میں بار بار تاکید فرمائی گئی ہے۔ ایک آیت میں ذکر کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے رحمت کے نزول اور ظلمات سے نکال کر نور میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور قیامت کے روز کثرت ذکر کے انعام وتحفہ کے طور پر اللہ کی طرف سے سلام سلام کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ **(سورۃ احزاب آیت ۴۱ سے ۴۴)**

دوسری آیت میں فلاح ونجات کا تعلق کثرت ذکر سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ **(سورۃ الجمعہ آیت ۱۰)**

تیسری آیت میں اللہ کے ذکر سے اعراض کے نتیجہ میں شیطانی تسلط کا انتباہ دیا گیا ہے۔ ذکر ایسی چیز ہے جو ہر طرح کے فتنوں سے بچاؤ کے سلسلہ میں ڈھال کا کردار ادا کرتا ہے، اس لئے کہ ذکر میں خالق کائنات کی ہستی کا حسن پوشیدہ ہے، جو فرد کے سارے جذبات حسن کی تسکین وتشفی کا موجب بنتا ہے۔ ذکر کے حسن سے فیضیابی کے بعد مادی حسن کے سلسلہ میں فرد کی ساری آرزوئیں کالعدم ہوجاتی ہیں۔ ذکر، سب سے بڑی توانائی ہے، جب کثرت ذکر کے ذریعہ شخصیت کے باطن میں یہ توانائی پیدا ہوجاتی ہے تو دل وروح نفس پرستی کی ساری قوتوں پر غالب آنے لگتے ہیں اور انسانی شخصیت میں فتنوں کی قبولیت کے سارے اثرات مضمحل ہوجاتے ہیں۔ کثرت ذکر نور کا منبع ہے۔ جب دل میں یہ نور غالب ہونے لگتا ہے تو لاشعور یعنی باطن ہر طرح کے مادی فساد اور داخلی وخارجی فتنوں کی گرفت سے آزاد ہونے لگتا ہے۔

ذکر، انسانی شخصیت میں ربانی صفات کے عکسوں کی منتقلی کا ذریعہ بنتا ہے۔ لیکن یہ خصوصیات کثرت ذکر کی ہیں۔ ذکر کے معمولی اجزاء کی نہیں۔ ہم سے مطالبہ ذکر کثیرا کا ہے۔ ذکر میں بھی بالخصوص اللہ کے اسم ذات کا ذکر ایسی چیز ہے، جس میں ساری تجلیات اور سارے انوارات موجود ہیں، اسم ذات کے کثرت ذکر سے جب یہ سارے انوار وتجلیات انسانی شخصیت کا حصہ بن جاتے ہیں، دل وروح میں جاگزیں ہوجاتے ہیں، لاشعور یعنی باطن ان انوار سے سرشار ہونے لگتا ہے تو لاشعور میں ہر طرح کے فتنوں کو مسترد کرنے اور ہر طرح کے خیر کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے۔

ذکر کے ساتھ اگر فکر ہو یعنی ذکر اس طرح ہو کہ ذہن اور دل اپنی ساری توانائیوں اور ارتکاز قوت کے ساتھ ذکر میں مصروف ہو تو یہ ذکر انسانی شخصیت کی صحتمند بنیادوں پر تشکیل میں سب سے زیادہ فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔

دوسری چیز جو آخری دور کے فتنوں سے بچاؤ کے سلسلہ میں فرد وافراد کو مستحکم کر سکتی ہے، وہ صالح افراد کی صحبت کا ماحول ہے۔ یہ ماحول فرد کے لئے ہر طرح کی بُرائی سے بچاؤ کے لئے حصار کا کام دیتا ہے، اس لئے کہ اس سے ہر وقت لاشعور کو جو پیغام ملتا رہے گا، وہ پاکیزہ انسانوں کے نورانی کردار اور ذکر کے اجزاء سے سرشار نورانیت کا پیغام اور نورانیت کے لازوال اثرات ہیں، جس کے نتیجہ میں لاشعور میں مادہ پرستی کی قوتوں اور دجالی تہذیب کے برپا کردہ فتنوں کے اثرات قبول کرنے کی گنجائش موجود نہ ہوگی، اگر یہ اثرات موجود بھی ہوں گے تو ان سے بچاؤ کی ازخود صورت پیدا ہوتی جائے گی۔

صالح صحبت میں اگر زہد وفقر کے حامل اہل اللہ سے وابستگی ہو، تو سونے پر سہاگہ ہوگا، اس لئے کہ اہل اللہ، ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں اور راہ عشق میں طویل عرصہ تک چلتے رہنے کے نتیجہ میں نفس مطمئنہ کے مقام تک فائز ہوجاتے ہیں اور ان کے دل کے سارے حصے ذکر سے معمور ہوجاتے ہیں۔ ان سے وابستگی کے نتیجہ میں دل میں محبت خداوندی کی ایسی طاقتور لہریں ابھرنے لگتی ہیں کہ کہ فرد پہلی بار زندگی میں حقیقی اور معنوی انقلاب محسوس کرنے لگتا ہے۔

تیسری چیز جو ضروری ہے، وہ اندر میں ڈوبتے رہنے کا عمل ہے۔ اللہ نے فرد کے اندر ایسی لطیف قوتیں رکھی ہیں کہ جن کی بیداری سے فرد کی شخصیت میں لطافت پیدا ہوجاتی ہے۔ روح، لطیف سے لطیف تر ہونے لگتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ نفس اور مادیت پرست قوتوں کی یلغار سے پوری طرح آزاد ہونے لگتی ہے، اور دل، محبوب حقیقی کے انوار حسن سے فیضیاب ہونے لگتا ہے۔ **وفی انفسکم افلا تبصرون.** (ہماری نشانیاں تمہارے اندر موجود ہیں آخر تم دیکھتے کیوں نہیں ہو۔)

ونحن اقرب الیه من حبل الورید. (ہم تم سے تمہاری رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں) یہ قوتیں اندر میں غوطہ زنی کرتے رہنے کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوں گی اور یہ احساس طاقتور ہوگا کہ انسان مادی سے زیادہ غیر مادی اور جوہری نوعیت کا ہے۔

اندر میں مسلسل غوطہ زنی کے نتیجہ میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ فرد نفس کی سرحدوں کو عبور کرکے، دل اور روح کی گہرائیوں میں داخل ہونے لگتا ہے۔ جہاں محبوب حقیقی کی محبت کے جذبات موجزن ہوتے ہیں۔ جہاں توحید ووحدانیت کے عجیب اسرار آشکار ہونے لگتے ہیں اور **فطرة الله التی فطر الناس علیها** کا منظر غالب ہونے لگتا ہے۔ اندر میں ڈوب جانے کا عمل فطرت میں موجود طاقتور حقیقتوں سے آشنا کرکے، فرد کے لئے قرآن کی گہرائیوں تک رسائی کا ذریعہ بنتا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ **سنریهم ایتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتیٰ یتبین لهم انه الحق (حم سجدہ آیت نمبر۵۳)** (عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق (کائنات) میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے نفسوں میں، یہاں تک کہ حق ان پر واضح ہوجائے گا)۔

چوتھی چیز خود احتسابی کا عمل ہے، اگر یہ عمل جاری رہے تو اندر کا مفتی طاقتور سے طاقتور تر ہونے لگتا ہے، اندر کے مفتی کے بیداری سے بڑے گناہ سے لے کر چھوٹے گناہ تک کے بارے میں حساسیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ بالخصوص باطنی بیماریوں کا ادراک واحساس غالب سے غالب تر ہونے لگتا ہے۔ اس طرح بتدریج ساری بُرائیوں اور سارے فتنوں سے بچاؤ کی صورتیں پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔

پانچویں چیز جو ضروری ہے، وہ سادگی اور سادہ زندگی کی عادت کو مستحکم کرنا ہے۔ اور اس سلسلہ میں افراد معاشرہ کی معاشرت سے متاثر ہونے سے انکار کرنا

ہے۔ سادہ زندگی اختیار کرنے سے وقت بچ جائے گا اور یہ وقت اللہ کے ذکر، عبادت اور دوسرے دینی کاموں میں آسانی سے صرف ہو سکے گا۔ اس وقت ہر فرد پر وہ چاہے مذہبی ہو یا غیر مذہبی، سب پر ایک ہی جنوں سوار ہے کہ اسے مالداروں والی ساری آسائشیں حاصل ہوں اور اس کی اولاد کا مادی مستقبل بہتر ہو، اس کے لئے وقت اور صلاحیتوں کا بے جا استعمال ہونے لگا ہے اور فرد زیادہ تر اسی فکر میں گھڑا رہتا ہے، سرمایہ دارانہ طرز زندگی اور میڈیا نے مادی زندگی کی اس حرص میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ سادگی سے ہماری مراد مثالی زہد اور فقر کی اعلیٰ زندگی نہیں ہے، بلکہ کم سے کم ضروریات پر اکتفا کرنے کی عادت مستحکم کرنا ہے۔ مثلاً اگر سادہ طرز کی گاڑی اور سادہ مکان موجود ہے تو یہ کافی ہے۔

چھٹی چیز اللہ کی بے کس مخلوق کی خدمت کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکالنا ہے۔ اگر اللہ کی بے کس مخلوق کی فرد سے خود مالی مدد نہیں ہوسکتی تو دوسروں کو اس طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے، مالی امداد کے علاوہ خدمت کی دوسری بہت ساری صورتیں نکل سکتی ہیں۔

خود احتسابی کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کے مطابق خدمت دین کے کاموں سے بھی فرد میں فتنوں سے بچنے اور نیکوکاری کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں۔ اور دین کی خدمت کا کام بھی فتنوں سے بچاؤ میں یقیناً اہم کردار ادا کرتا ہے، لیکن جب تہذیب نفس اور تزکیہ کا کام ایک حد تک نہیں ہوتا تو فرد کے نفسی جذبات (حب جاہ حب مال، حرص وہوس اور خودنمائی وغیرہ) طاقتور صورت میں موجود ہوتے ہیں، اس طرح کی صورت میں خدمت دین کے کام سے فرد کا اصل ہدف اس کی اپنی ذات نہیں ہوتی، بلکہ ہدف دوسرے افراد ہوتے ہے۔ چنانچہ عام طور پر خدمت دین کا اس طرح کا کام اپنی ذات کی فراموشی کی قیمت پر ہوتا ہے۔ اور نفسی آویزشوں کے ساتھ ہونے والے خدمت دین کے کام میں بالعموم انتشار وفساد زیادہ برپا ہونے لگتا ہے۔ اور اس طرح کے دعوتی کام سے افراد میں اکثر ایک دوسرے سے حسد وجلن کی نفسیات پیدا ہوجاتی ہے، اور یہ کام اکثر انتشار کا شکار ہوجاتا ہے۔ اس لئے یہاں خدمت دین کے کام کو خود احتسابی سے مشروط کیا گیا ہے۔ خود احتسابی سے دعوتی کام ہوگا تو قدم قدم پر اپنے احتساب کی فکر غالب ہوگی اور دوسروں سے زیادہ اپنی غلطیوں پر نظر ہوگی، اور ان کے ازالہ کی صورتیں بھی پیدا ہوتی جائیں گی۔

قرآن مجید جو خود ذکر کی مؤثر صورت ہے، اس سے تعلق مستحکم کرنا، اس میں غور وفکر کرنا، اس کی معنیٰ پر دھیان دینا اور اسے دوسروں کو سنانے سے پہلے اس کے نور اور اس کی روح کو اپنی شخصیت پر غالب کرنے کی نیت سے اسے پڑھتے رہنا، یہ بھی اصلاح کا اہم ذریعہ ہے۔ قرآن شریف کی تلاوت اور اس کی معنیٰ پر غور وفکر کے ذریعہ روحانی قوتوں کی بیداری اور ہر باطل سے بچنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا کام ایسا ہے، جس کا ذکر سب سے پہلے آنا چاہئے تھا، لیکن ایک تو قرآن پر غور وفکر کرنے کا کام مشکل تر ہے اور اس کے لئے فرد کے پاس بہت ہی کم وقت نکل سکتا ہے، دوم یہ کہ قرآن کے ذریعہ نفس کی اصلاح اور تہذیب نفس کا کام اس وقت ہی آسان ہوسکتا ہے، جب کثرت ذکر اور صحبت کے پاکیزہ ماحول سے نفسی کدورتوں کی صفائی اور اس کی خباثتوں سے بچاؤ کی ایک حد تک صورت پیدا ہو، ورنہ تجربہ یہ ہے کہ قرآن کو عام طور پر اپنی اصلاح کی بجائے دوسروں کو سنانے اور دوسروں کی اصلاح کے لئے ہی استعمال کیا جاتا ہے، بلکہ قرآن اپنی علمی برتری، دعویٰ اور دوسرے مقاصد کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ہماری نظر میں فتنوں سے بچنے کی کاوشوں کا ہونا، اگرچہ سعادت کا کام ہے، چھوٹی موٹی سعادت نہیں، بلکہ بڑی سعادت کی بات ہے، تاہم یہ کافی نہیں ہے، بلکہ معاشرہ کو فتنوں سے بچانے کی کاوشوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کے لئے

ضروری ہے کہ معاشرہ سے ایسے ذہین، باصلاحیت اور جدید تعلیم یافتہ افراد سامنے آئیں، جو باطن کی صالح بنیادوں پر تعمیر کے کام کو اولین اہمیت دے کر، ذکر وفکر اور صحبت کے ذریعہ اپنی سیرت میں استحکام اور کردار میں پاکیزگی پیدا کریں، اس کے بعد فتنوں سے مقابلہ کے سلسلہ میں ان میں وہ توانائی اور نور پیدا ہوگا، جس سے اس اہم دینی فریضہ کی سرانجامی بہتر طور پر ہو سکے گی، اس طرح معاشرہ میں دجالی تہذیب کے علمبرداروں کے مقابلہ میں حفاظت دین اور خدمت دین کی مؤثر ترین صورت پیدا ہوتی جائے گی۔

یہ بحث چونکہ ہمارے موضوع سے باہر ہے، اس لئے اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخری دور کے فتنوں سے بچائے اور ہمارے دین وایمان کی سلامتی وحفاظت کی صورت پیدا فرمائے۔ (آمین)